Regd No. LW/NP 56

Phone: 22949
29747

TAMEER-E-HAYAT

Fortnightly

NADWATUL-ULAMA LUCKNOW-226007 (INDIA)

شرقِ اوسط کی ڈائری

(منظرِ عام پر آگئی ہے)

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کا بیش بہا سفرنامہ اور روزنامچہ جس میں مولانا نے اپنے سنہ ۱۹۵۰ء کے سفرِ مصر، سوڈان، اور شام کی رُوداد قلمبند کی ہے۔

آپ کو اس سفرنامہ میں مردِ مومن کی فراست عالمِ ربانی کی احتیاط و توازن، داعی کا جوش و ولولہ اور ایمانی غیرت، مفکر کی بالغ نظری، اور ایک پختہ کار قائد و رہنما کی دور بینی و بصیرت سطر سطر سے جھلکتی بلکہ چھلکتی نظر آئے گی۔

اس میں مولانا کو یونیورسٹیوں کے طلبہ و اساتذہ سے خطاب کرتے ہوئے بھی دیکھیں گے، علماء و مشائخ اور اسلامی تحریکوں کے قائدین سے ملتے ہوئے بھی، اور وزراء و بادشاہوں سے ہمکلام ہوتے ہوئے، اور ان کو خیرخواہانہ مشورہ دیتے ہوئے بھی، کبھی وہ بلند پایہ اہلِ فکر، ادبا اور صحافیوں کی محفل میں ملیں گے، کبھی جنگِ آزادی کے لڑنے والے قائدین اور قومی رہنماؤں سے مسئلہ فلسطین پر باوزن و بصیرت افروز گفتگو کرتے ہوئے نظر آئیں گے۔

انہوں نے دیکھا بھی اور دکھایا بھی، سُنا بھی اور سُنایا بھی، لیا بھی اور دیا بھی، لیکن انہوں نے جو دکھایا یا سُنایا یا دیا اس کا حصہ لینے سے کہیں زیادہ تھا۔

یہ کتاب عربی میں تھی اس کا اردو ترجمہ مولانا شمس الحق ندوی استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء نے بہت سلیس اور شیریں زبان میں کیا ہے۔

کتاب صرف ایک روزنامچہ نہیں ایک پورے عہد کی زندہ تصویر، ہماری موجودہ تاریخ کی بیش قیمت امانت، اور دلچسپ واقعات، مکالموں اور قلمی تصویروں کا ایک ایسا مرقع ہے کہ آپ خود کو مولانا کا شریکِ سفر محسوس کریں گے۔

صفحات تقریباً ساڑھے چار سو نفیس کتابت و طباعت، جاذبِ نگاہ گرد پوش خود مولانا ندوی کے فاضلانہ مقدمہ کے ساتھ

قیمت: پندرہ ۱۵ روپیے

طابع و ناشر: مکتبۂ فردوس، مکارم نگر (برولیا) لکھنؤ نمبر ۲۲۶۰۰۷

مکتبۂ فردوس کی

چند اہم مطبوعات

دو ہفتے مغربِ اقصیٰ (مراکش) میں:

مولانا ندوی کے سفرِ مغربِ اقصیٰ (مراکش) کے تجربات، تأثرات، مشاہدات، اور جذبات و کیفیات کا دلآویز قلمی مرقع، نیز وہاں کے حالات و واقعات کی جیتی جاگتی تصویر۔ اعلیٰ کتابت و طباعت دیدہ زیب سرورق۔ قیمت صرف چھ روپے

پُرانے چراغ:

ملی زندگی کے مختلف شعبوں کے چند مشاہیر اور اربابِ علم و دانش کے حالات و سوانح اور کارناموں کا ایک دلکش قلمی مرقع۔ قیمت سولہ روپے، مع گرد پوش خوبصورت کور

جب ایمان کی بہار آئی

رائے بریلی کی تربیت گاہ سے بالاکوٹ کی شہادت گاہ تک، ایمان و یقین، اسلامی اخلاق اور جہاد و قربانی کی وہ روح پرور داستان جس کا برصغیر کے ہر مسلمان سے گہرا تعلق ہے، اور جو پہلی بار واقعات کے پیرایہ اور ادبی انداز میں پیش کی گئی ہے، شروع میں حضرت سید احمد شہیدؒ کی سیرت کا نچوڑ آگیا ہے، اس کے بعد اثر انگیز اور منتخب واقعات ہیں۔

ہماری روشن تاریخ کے زندہ و تابندہ نقوش اور مسلمانوں کے لئے عزم و ہمت کا نیا صحیفہ۔

اعلیٰ کتابت و طباعت نظر افروز سرورق۔ قیمت ۱۲ روپے۔

تعمیرِ حیات لکھنؤ
پندرہ روزہ

شاعرِ مشرق علامہ اقبالؒ کی نظم

"حضور رسالتمآبؐ میں" کا عربی منظوم ترجمہ

للدکتور محمد اقبال

ترجمة: الأستاذين الصاوي علي شعلان، وعبد الباري نجم كبير المذيعين بالقسم الاردي بإذاعة ج. ع. م.

گراں جو مجھ پہ یہ ہنگامۂ زمانہ ہوا
جہاں سے باندھ کے رختِ سفر روانہ ہوا
قیودِ شام و سحر میں بسر تو کی لیکن
نظامِ کہنۂ عالم سے آشنا نہ ہوا
فرشتے بزمِ رسالتؐ میں لے گئے مجھ کو
حضورِ آیۂ رحمت میں لے گئے مجھ کو
کہا حضورؐ نے اے عندلیبِ باغِ حجاز
کلی کلی ہے تری گرمئ نوا سے گداز
ہمیشہ سرخوشِ جامِ ولا ہے دل تیرا
فتادگی ہے تری غیرتِ سجودِ نیاز
اڑا جو پستئ دُنیا سے تو سوئے گردوں
سکھائی تجھ کو ملائک نے رفعتِ پرواز
نکل کے باغِ جہاں سے برنگِ بُو آیا
ہمارے واسطے کیا تحفہ لے کے تو آیا
حضور دہر میں آسودگی نہیں ملتی
تلاش جس کی ہے وہ زندگی نہیں ملتی
ہزاروں لالہ و گُل ہیں ریاضِ ہستی میں
وفا کی جس میں ہو بُو، وہ کلی نہیں ملتی
مگر میں نذر کو اک آبگینہ لایا ہوں
جو چیز اس میں ہے جنت میں بھی نہیں ملتی
جھلکتی ہے تری امت کی آبرو اس میں
طرابلس کے شہیدوں کا ہے لہو اس میں

(اقبالؒ)

«ولما توالى في الحياة ضجيجها — وطال بها صمتي، وزاد عنائي
حملتُ من الدنيا متاعي لرحلتي — تخففُ ما أشكو من البرحاء
بأجنحة الأملاك ارسلتُ عمّتي — إلى كل أوجٍ صاعدٍ وعلاء
إذا أنا بالنور الذي من شروقه — تطالعنا شمسُ الضحى بضياء
هو النيّرُ المبعوثُ للخلق رحمةً — نبيُّ البرايا أصدقُ الرحماء
يقولُ تقدمْ أيها البلبلُ الذي — سرى حبُّه شدوًا بكل فضاء
تغنّيتَ في ذكرى الحجازِ فصائلاً — تثيرُ النخيلَ الخضرَ حولَ قُباء
وكادَ يذوبُ الورد وجدًا ورقةً — بما لك من سحرٍ وعذبِ غناء
وأنغامكَ النشوى تفيضُ على الربى — أناشيدَ حبٍ صادقٍ وولاء
وكم سجدةٍ في مخدعِ الليلِ لم تزل — بها قدوةُ الأبرارِ والصلحاء
فقلتُ: متى يا أكرمَ الخلقِ تنقضي — همومي، وألقى في الحياةِ رجائي
أرى كل روضٍ بالأزاهير حالياً — ندِيَّ الشذى في نضرةٍ ونماء
يجودُ بحمرِ الشقيقِ عرائساً — تميسُ بها الأغصانُ في خيلاء
وما طالعتني في الخمائلِ زهرةٌ — بعطرِ إخاءٍ أو نسيمِ وفاء
وطافت بأحلامي ضحايا طرابلسٍ — وثورةُ أبطالٍ بها شهداء
لقد بذلوا في أرضهم ثمنَ العلا — لتحريرها من غصبةِ الدخلاء
وقد سطّروها قصةً قرمزيةً — مسطّرةً أمجادُها بدماء
فأكرمني الهادي البشيرُ وقال لي: — بأيّ الهدايا جئتَ يومَ لقائي
فقلتُ له: تلك الهديةُ في يدي — تزيدُ على الياقوتِ حسنَ بهاء
وما حوتْ الفردوسُ يوماً نظيرَها — جلالةَ قدرٍ أو جمالَ رواء
فقال: وماذا؟ قلتُ: هذي هديتي — قواريرُ عطرٍ من دمِ الشهداء»

تعمیرِ حیات

لکھنؤ

پندرہ روزہ

شعبۂ تعمیر و ترقی دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

جلد نمبر ۱۵ | ۱۰ر دسمبر ۱۹۷۷ء ——— ۲۸ر ذی الحجہ ۱۳۹۷ھ | شمارہ نمبر ۳

زرِ اشتراک اندرونِ ہند مع محصول ڈاک:
سالانہ: ۱۲ روپے ششماہی ساتھ روپے
فی پرچہ: ۶۰ پیسے
بیرونِ ہند مع محصول ڈاک:
بحری ڈاک سے: ایک پاؤنڈ ۱۰ شلنگ
ہوائی ڈاک سے: ۱۰ امریکن ڈالر
یورپین ممالک: ۳ پونڈ
افریقہ، مشرق وسطیٰ اور مشرق بعید ممالک: ۲ پونڈ
پاکستان: ۳۰ روپے
بنگلہ دیش: ۱۵ روپے

اسحٰق جلیس ندوی

امن کی تلاش میں

مغربی استعمار کو اپنے مفاد کی حفاظت کے لئے مغربی ایشیا اور افریقہ کے درمیان ایک دیوار کھڑی کرنی تھی۔ یہ انسانی دیوار اسرائیلی مملکت کی شکل میں ۱۹۴۸ء میں عالم عربی کے قلب میں تعمیر کردی گئی۔

اسرائیلی مملکت کے قیام اور فلسطین کے عرب باشندوں کی جلاوطنی اور خانہ بدوشی کے ساتھ روس بھی برابر کا شریک ہے، عربوں نے دوسری جنگ عظیم میں انگریزوں کی سازش کا شکار ہوکر اس وعدہ اور امید پر ان کا ساتھ دیا تھا کہ جنگ میں کامیابی کے بعد عربوں کی اپنی آزاد مملکت قائم ہوگی۔ لیکن جنگ میں کامیابی کے بعد مغربی سامراج نے عالم عربی کے حصے بخرے کردئے اور چھوٹی چھوٹی کٹھ پتلی حکومتیں قائم کیں۔ عربوں کی سرزمین فلسطین میں یہودیوں کو ایک سازش کے تحت آباد کرکے اسرائیلی حکومت بنادی۔

۱۹۴۸ء کے جہاد فلسطین میں اخوانی نوجوانوں نے شجاعت و سرفروشی کا زبردست مظاہرہ کیا۔ پہلے تو ان مخلص مجاہدین کی ہمت شکنی کی جاتی رہی، ناقص اسلحہ، رسد کی کمی، طبی امداد کا فقدان، ان سب کے باوجود ولولۂ جہاد اور شوق شہادت میں یہ برابر آگے بڑھتے گئے، اسرائیل کا خاتمہ چند گھنٹوں کی بات رہ گئی تھی کہ انہیں جنگ روکنے پر مجبور کیا گیا اور صلح کی میز پر مسئلہ کو حل کرنے کے وعدے کئے گئے ——— لیکن اس کے بعد اسرائیل کی حکومت نہ صرف باقی رہی بلکہ اس کے توسیع پسندانہ عزائم نے ۱۹۵۶ء اور ۱۹۶۷ء کی جنگ میں اپنے مملکت کے حدود کو خاصا بڑھالیا، بیت المقدس پر اس نے قبضہ کیا، نہر سویز کو معطل کردیا، باب المندب پر اس کا کنٹرول ہے، اور گولان کی پہاڑیاں اس کی مملکت کا حصہ ہیں۔

اب اسرائیل ایک ایسا خطرہ بن گیا ہے کہ جس کے توسیع پسندانہ عزائم کی زد میں لبنان، شام، شرق اردن، مصر اور بحر احمر سے متصل تمام ممالک ہیں۔

اسرائیل کا وجود، اس کا استحکام اور اس کی جارحیت میں تنہا سامراجی طاقتوں کا ہاتھ نہیں بلکہ عرب حکمرانوں کی عدم دانشمندی، بے حسی، قول و عمل کے تضاد اور صاف الفاظ میں ان کے نفاق کو بھی بڑا دخل ہے۔ عرب حکمرانوں کے پاس ان سوالات کا کیا جواب ہے کہ:۔

۱۔ ۱۹۴۸ء میں جب کہ اسرائیل کی نومولود حکومت کے خاتمہ کا سہرا موقع تھا، اور دار السلطنت تل ابیب تک عرب اخوانی مجاہد اپنی بے سروسامانی کے باوجود پہونچ گئے تھے، جنگ بندی منظور کرنے میں کیا مصلحت تھی؟

۲۔ صلح کے مذاکرات میں اسرائیل اور اس کی حلیف طاقتوں کی بدنیتی کا اندازہ ہوجانے کے بعد دوبارہ اعلان جہاد میں کیا چیز مانع تھی؟

۳۔ ۱۹۵۶ء میں نہر سویز کو قومیانے کا ڈرامہ اسرائیل کو مزید پیشقدمی کا موقع فراہم کرنے اور صحرائے سینا اور غازہ پٹی پر بآسانی قبضہ کرنے کے لئے تو کہیں نہیں کھیلا گیا؟ نہر سویز کا محاذ چند مہینوں بعد تو ختم ہونے ہی والا تھا اور اس پر مصر کی بالادستی تو قائم ہونی ہی تھی، اخوان نے اس طرف جب متوجہ کیا اور مصر کو بے ضرورت جنگ میں جھونکنے سے اختلاف کیا تو انہیں سازش کے الزام میں خلاف قانون قرار دیدیا گیا، ان کے چھ رہنماؤں کو پھانسی کی سزادی گئی، اور ہزاروں نوجوانوں کو جیلوں میں بند کردیا گیا، اخوان کا خلوص شک و شبہ سے بالاتر ہے، اسی ۱۹۵۶ء کی جنگ میں برطانیہ، فرانس اور اسرائیل جیسی تین طاقتوں کا پورٹ سعید پر بہادری سے مقابلہ کرنیوالے اخوانی نوجوان تھے۔

۴۔ ۱۹۶۷ء کی عرب اسرائیل جنگ کرنل ناصر کی وہ سازش تھی جس نے اسرائیل کو تاریخی فتح اور عربوں کو رسوا کن شکست سے دوچار کیا، اس جنگ کی منصوبہ بندی سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ صدر ناصر اور شامی حکمراں، عربوں کی کامیابی اور اسرائیل کو نیست و نابود کرنے کا مطلق ارادہ نہیں رکھتے تھے بلکہ اسرائیل کی کامیابی کو یقینی بنانے کے لئے اسکے ایجنٹ کے طور پر کام کررہے تھے تفصیل کا یہاں موقع نہیں، نہر سویز تک اسرائیلی فوج کی آمد اور گولان کی پہاڑیوں پر اس کے بآسانی قبضہ کی تفصیلات سے ہر شخص اندازہ کرسکتا ہے کہ عربوں کی قیادت کن دوست نما دشمنوں کے ہاتھ میں تھی۔

۵۔ اسرائیل کو ناقابل تسخیر باور کرانے کے لئے عرب حکمرانوں کی طرف سے بار بار اس بات کا اعلان و اظہار ہوتا ہے کہ اسرائیل کی پشت پر امریکہ ہے، یہ ایک بدیہی حقیقت ہے، لیکن زندہ قومیں کسی بڑی طاقت کو ہوا سمجھ کر اور اپر طاقت کرکے اپنے حقوق کی حفاظت اور اپنی آزادی کا تحفظ نہیں کرسکتی، یہی وہ مقام ہے جہاں زندگی کے لئے موت کو گلے لگانا پڑتا ہے، ویٹ نام سے امریکہ کو بے دخل کرنے والوں نے ابھی حال ہی میں ایک تاریخ بنائی ہے، عربوں سے ہمیں توقع تھی کہ وہ اپنی تاریخ اور روایات کا مظاہرہ کریں گے، وسط ایشیا کی شہادت اگر اس مسئلہ کا حل اور عالمی امن کی ضمانت بن سکتی ہے تو یہ سودا مہنگا نہیں۔

۶۔ اسرائیل تسلیم نہ کرنے اور اسکے وجود کو ختم کرنے کا بلند و بانگ دعوے کرنیوالی عرب قیادت نے اس مسئلہ میں وہ طریقہ کار اختیار کیا جو بعد از خرابی بسیار اسکے وجود کو تسلیم کرنے کی طرف لے جانیوالا تھا۔ اگر اسرائیل کو بالآخر تسلیم ہی کرنا تھا تو مسئلہ فلسطین کو "قمیص عثمان" بنانے کی کیا ضرورت تھی یہ مرحلہ بحسن و خوبی اس وقت بھی طے ہوسکتا تھا جب اسرائیل کی سرحد عرب ممالک کے قلب کو نشانہ بنانے کی پوزیشن میں نہیں تھی اور اس کی حیثیت بہت محدود و مختصر اسٹیٹ کی تھی۔

اب تو صورت حال اسقدر مختلف ہے کہ "اسرائیل عرب مقبوضات چھوڑ دے تو عرب ممالک اسے تسلیم کرلیں گے"، اس اعلان کا بھی اسرائیل پر کوئی اثر نہیں، آخری بات یہ کہ ۳۰ سال میں پہلی مرتبہ ایک عرب سربراہ اسرائیلی مملکت میں قدم رکھے گا قیام امن کی تلاش میں صدر سادات کی یروشلم یاترا ـــ ع

ہیں کوچۂ رقیب میں بھی سر کے بل گیا

صدر سادات کا دورۂ اسرائیل ایک خوددار، بااصول اور حق کے علمبردار انسان کا دورہ نہیں کہا جاسکتا، صدر سادات کو اسرائیل نے مدعو نہیں کیا تھا، انہوں نے خود اپنے ارادہ سے "جرأت" کا پہلے اعلان کیا، جس کا استقبال ان الفاظ میں ہوا:۔

"صدر سادات کا ہم استقبال کریں گے، اسرائیل دوستی کا ہاتھ بڑھائیگا لیکن یہ یاد رہے کہ یہ ہاتھ کمزور نہیں" (بیگن وزیر اعظم اسرائیل کا بیان)

صدر سادات کے استقبال میں جو زبان اسرائیلی حکمراں استعمال کررہے ہیں وہ تحقیر آمیز اور امن کی امید کو سراب ثابت کرتی ہے۔

ان سب کے باوجود صدر سادات یروشلم جارہے ہیں، ان کا یہ دورہ اس حیثیت سے تاریخی ضرور قرار پائے گا کہ ایک ایسی قوم کے فرد نے جس نے تاریخ میں بارہا ثابت کیا کہ ـــ ع

ہلاکت نہیں موت اس کی نظر میں

ایک مصری سپاہی کی جان بچانے کے لئے اس پستی تک اپنے کو اتار دیا۔

مصری صدر کے پیش نظر کوئی اعلیٰ مقصد ہوتا تو غم کی بات نہ تھی، بیت المقدس کی بازیابی کے لئے کوچۂ رقیب میں سر کے بل جانا شاید ثواب کی بات ہوتی لیکن کسی مصری سپاہی کی جان بچانے اور امن کی عظیم امید کی خاطر وہ اقدام جس سے پوری قوم کو شرمساری کا سامنا اور صدیوں تک اس کا خمیازہ بھگتنا پڑے کہاں تک صحیح ہے؟

تعلیم القرآن

از: مولانا محمد اویس نگرامی ندویؒ

تبلیغ کا طریقہ:

ادع الی سبیل ربک بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ وجادلھم بالتی ھی احسن (نحل-۱۶)

اپنے پروردگار کی طرف لوگوں کو عقلمندی اور اچھی نصیحت کے ذریعہ سے بلاؤ، اور ان سے اچھے طریقے سے مناظرہ کرو۔

اس آیت میں مسلمانوں کو بتلایا گیا ہے کہ وہ اپنے اللہ کے دین کی طرف لوگوں کو تین طریقوں سے بلائیں: (۱) حکمت (۲) اچھی نصیحت (۳) اچھے طریقے کا مناظرہ!

جب ہم کسی کے سامنے کوئی نئی بات پیش کرتے ہیں تو عام طور سے تین طریقے برتتے ہیں: یا تو اس بات کے ثبوت میں دل میں گھر کرنے والی دلیلیں پیش کرتے ہیں! یا سچے دل سے نصیحت کرتے یا یہ کرتے ہیں کہ اس کی دلیلوں کو مناسب طریقہ سے توڑتے ہیں اور اس کی غلطی ظاہر کرتے ہیں۔

پہلے طریقہ کا نام حکمت، دوسرے کا اچھی نصیحت اور تیسرے کا نام اچھے طریقہ کا مناظرہ ہے، اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ دین میں زبردستی نہیں! ایمان یقین کا نام ہے اور یقین کسی کے دل میں زبردستی نہیں پیدا کیا جاسکتا۔ غور کرو کہ مسلمانوں میں صحابہؓ سے بڑھ کر ایمان اور اسلام میں کون ہے؟ کوئی ایک صحابی بھی زبردستی مسلمان نہیں بنایا گیا تھا۔ سب رسول اللہؐ کی اچھی زندگی دیکھ کر اور اچھی باتوں کو سن کر ایمان لائے تھے۔ تم بھی آج اسی طریقہ سے اللہ کے دین کی تبلیغ کرسکتے ہو۔ رسول اللہؐ نے جب حضرت معاذ بن جبلؓ اور ابوموسیٰ اشعریؓ کو یمن میں اسلام کی طرف لوگوں کو بلانے کے لئے بھیجا تو رخصت کرتے وقت نصیحت فرمائی کہ اللہ کے دین کو آسان کرکے پیش کرنا، سخت بنا کر نہیں، لوگوں کو خوشخبری سنانا، نفرت نہ دلانا۔

جو کہو وہی کرو:

لم تقولون ما لا تفعلون (صف ۱)

تم کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں۔

تم جو کچھ زبان سے کہو، اس پر خود عمل بھی کرو، نہیں تو تمہارے کہنے سننے کا لوگوں پر کچھ بھی اثر نہ پڑے گا۔ قرآن میں ہے:۔

كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ (صف ۱)

بڑی بیزاری ہے اللہ کے یہاں کہ کہو وہ جو نہ کرو۔

خدا نے فرمایا، کیا اوروں کو نیکی کی بات بتاتے ہو اور خود اپنے کو بھول جاتے ہو؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو کہتے تھے اس کو خود بھی کرتے تھے۔ لوگوں کو غریبوں، اور مسکینوں کی امداد کا حکم دیا، تو پہلے خود امداد کرکے دکھا دیا، معاف کرنے کی نصیحت کی تو اپنے زہر دینے والوں کو خود معاف بھی کیا، جنھوں نے آپ پر تیر برسائے اور تلواریں چلائیں ان پر ہاتھ نہیں اٹھایا۔ الغرض تم دوسروں کو نصیحت کرو تو خود کو بھول نہ جاؤ۔

رشتہ داروں کے ساتھ برتاؤ:

یا ایھا الذین آمنوا قوا انفسکم واھلیکم نارا۔ (تحریم-۱)

اے ایمان والو! اپنے کو اور اپنے گھر والوں کو اس آگ سے بچاؤ۔

جس طرح اولاد کے ذمہ ماں، باپ کا حق ہے۔ اسی طرح ماں، باپ کے ذمہ اولاد کا بھی حق ہے، اس آیت میں اللہ نے حکم دیا ہے کہ اپنے گھر والوں کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ۔ یعنی ان کو تمام ایسے کاموں سے روکنا چاہئے جن سے دین اور دنیا برباد ہو، اچھی تعلیم اور اچھی پرورش کا خیال رکھنا چاہئے یہی محبت ہے، روپیہ، کھانا، کپڑا، زیور اور بڑے بڑے گھروں میں نہیں ہے۔ سچی محبت تو اسی میں ہے کہ ہم بیوی بچوں کو اللہ کے غضب سے بچائیں اور ان کو دوزخ کا ایندھن نہ بننے دیں۔

خدا نے قرآن میں فرمایا ہے کہ نیک بندے جس طرح اپنے ماں باپ کی بخشش کی دعا مانگتے ہیں اسی طرح وہ اولاد کے حق میں بھی دعا کرتے ہیں۔

واصلح لی فی ذریتی (احقاف-۲)

اور میری اولاد میں صالح بنا۔

محسنِ انسانیتؐ نے فرمایا

- ★ غریبوں کے ساتھ دوستی رکھو، امیروں کی مجلس سے احتراز کرو۔
- ★ جو ضامن ہے وہ تاوان کا ذمہ دار ہے۔
- ★ قضا کو دعا ہی ٹالتی ہے۔
- ★ سچا اور امین تاجر قیامت کے دن صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ ہوگا۔
- ★ جس نے ہمارے دین میں کوئی ایسی بات نکالی جو دین میں نہیں ہے وہ رد ہے۔
- ★ تجارت میں رزق کے ۹/۱۰ حصے ہیں۔
- ★ مومن کے لئے موت، اس کے رب کی طرف سے تحفہ ہے۔
- ★ موت ایک ایسا راستہ ہے جو دوست کو دوست سے ملا دیتا ہے۔
- ★ سب سے پاکیزہ کمائی ان تاجروں کی ہے جو لین دین میں جھوٹ نہیں بولتے اور اہل معاملہ سے وعدہ کرتے ہیں تو وعدہ خلافی نہیں کرتے۔
- ★ جو شخص کسی عیب دار چیز کو، اس کا عیب خریدار پر ظاہر کئے بغیر بیچ دے اللہ کبھی اس سے خوش نہیں ہوگا (یعنی جب تک اس کی تلافی نہیں کرتا)
- ★ جو کاروبار میں راست باز ہیں، بروز حشر وہ سایہ عرش کے نیچے ہوں گے۔
- ★ کاروبار تجارت میں غلط سلط قسمیں مت کھاؤ۔
- ★ جو اپنے بھائی کی پردہ پوشی کرے گا، دنیا و آخرت میں اس کی پردہ پوشی کیجائیگی۔
- ★ مزدور کو اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے مزدوری دیدی جائے۔
- ★ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تین آدمیوں پر میں خود دعوی کروں گا ان میں سے ایک جو مزدوروں کی مزدوری مارے۔
- ★ اطمینان سے کام کرنا اللہ کی طرف سے ہے۔ اور جلدی کام کرنا شیطان کی طرف سے۔
- ★ میری طرف سے احکام دینی پہونچاتے رہو خواہ وہ ایک آیت ہی ہو۔
- ★ خدا اسے آباد رکھے جس نے میری باتیں سنیں اور دوسروں کو پہنچائیں۔
- ★ نماز پڑھانے والے کو چاہئے کہ نماز مختصر پڑھائے کہ مقتدیوں میں بوڑھے، کاروباری اور بیمار سبھی قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔
- ★ اللہ تعالیٰ پاک ہے اور پاکی کو پسند کرتا ہے، نظیف ہے اور نظافت اسے پسند ہے۔
- ★ اللہ تعالیٰ میل کچیل اور پراگندہ حالی کو پسند نہیں کرتا۔
- ★ صاف ستھرے رہا کرو کیونکہ اسلام پاکیزہ مشرب ہے۔
- ★ جسم کی پاکیزگی آدھا ایمان ہے۔
- ★ میری امت میں برے ہیں وہ لوگ جو اعضا کی پرورش (زیب و زینت) میں لگے رہتے ہیں۔
- ★ بڑا بھائی باپ کی جگہ ہے۔
- ★ اپنے استادوں کی توقیر کرو۔
- ★ برا ساتھی گویا آگ کا ایک ٹکڑا ہے۔
- ★ اپنی غلطی کا اقرار بلا تامل کرلو۔
- ★ مسکرانا خدا کی طرف سے پسندیدہ چیز ہے۔
- ★ بڑھ بڑھ کر باتیں بنانے والا دوزخ میں جائے گا۔
- ★ اعمال میں میانہ روی اختیار کرو۔ اور ایسی روش ترک کردو جو تمہارے لئے باعث دشواری ہے۔
- ★ سوار پیدل کو سلام کرے، پیدل بیٹھے ہوئے کو اور تھوڑے آدمی زیادہ آدمیوں کو سلام کریں۔
- ★ تم میں سے کسی نے کہیں شادی کا پیام دیا تو دوسرا وہاں پیام نہ لے جائے جب تک پہلا دستبردار نہ ہوگیا ہو۔
- ★ تمہارے غلام ان کے معاملہ میں انصاف کرو۔ ان کی حق تلفی نہ ہونے پائے۔ جو خود کھاؤ انہیں کھلاؤ جو خود پہنو انہیں پہناؤ۔

ہر ترقی پر ایمان کی سلامتی کو ترجیح دیجئے

[illegible] کو مسلم کمیونٹی سنٹر شکاگو (امریکہ) میں مولانا سید ابوالحسن ندوی کی تقریر، جسے ٹیپ ریکارڈ کی مدد سے علاء الدین رانچوی متعلم دارالعلوم ندوۃ العلماء نے قلمبند کیا۔

نہ مبالغہ، نہ تواضع:

میرے عزیز بھائیو اور بہنو!

تین ہفتے ہو رہے ہیں کہ میں شمالی امریکہ اور کینیڈا کے دورے پر ہوں اس عرصے میں درجنوں تقریریں اردو اور عربی میں ہوئیں، تقریریں تو تقریروں کی طرح ہوتی ہیں، ان میں خطابت کا عنصر بھی تھا، دلائل بھی تھے اور ترتیب بھی تھی لیکن آج کی اس مجلس کی اور میری تقریر کی نوعیت اس سے مختلف ہے، میں آج تقریر نہیں کروں گا، بلکہ باتیں کروں گا، باتیں بھی ایسی جیسے ایک خاندان کا فرد اپنے خاندان کے دوسرے عزیزوں سے ملنے کے بعد اپنے کچھ تاثرات و تجربات بیان کرتا ہے، ان کی حیثیت تقریر کی نہیں ہوتی ہے، اس نشست میں چند عملی باتیں اور ذاتی تجربات — point by point بیان کروں گا، میری درخواست ہے کہ آپ انہیں اپنی ڈائری میں قلمبند کریں یا یادداشت میں محفوظ کرلیں۔ میں اس گفتگو میں نہ مبالغہ سے کام لوں گا نہ تواضع سے۔ نہ کچھ حاشیہ آرائی کروں گا اور نہ خواہ مخواہ خاکساری برتوں گا۔

اس سفر میں مختلف مقامات پر افراد اور جماعتوں کے کارکنوں سے ملنے کے بعد میرے ذہن نے چند باتیں نوٹ کی ہیں اور کوئی تعجب نہیں کہ یہ سفر جس کا میزبان ایم۔ ایس۔ اے اور ہمارے نیک اور مخلص بھائیوں کے سپرد جو دو تین سال سے مجھے یاد کر رہے تھے، یہ باتیں اس سفر کا سرمایہ اور قیمتی حصہ ہوں، میں بھی اللہ سے دعا کرتا ہوں اور آپ بھی دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ میری زبان سے ایسی باتیں کہلوائے جو بہت دنوں تک آپ کو کام دیں اور میرے اس سفر کو بھی وصول کرا دیں، کیونکہ میں بہت ڈرتا ہوں کہ میں نے اس سفر کا حق ادا کیا یا نہیں؟ میں اتنا لمبا فاصلہ طے کر کے آیا اور اس سلسلے میں جو مصرفی لوازم ہوتے ہیں وہ سب ہوئے کہیں مجھ سے خدا کے یہاں [illegible] نہ ہو۔ ہو سکتا ہے کہ مجھ سے اس سفر میں بہت سی غلطیاں اور کوتاہیاں ہوئی ہوں۔ میں بالکل اس معیار پر قائم نہ رہ سکا جس پر مجھے قائم رہنا چاہئے تھا، شاید آج کی بات چیت سے اس کے کچھ کفارے کی صورت پیدا ہو جائے، خدا کرے کہ یہ باتیں آپ کو یاد بھی رہیں۔ کیونکہ باتیں بہت کی جاتی ہیں ہر تقریر کے بعد سوال و جواب کا سلسلہ بھی ہوتا ہے اور اکثر کام کی باتیں بھلا دی جاتی ہیں، یہ بھی ہوتا ہے کہ مقرر کی تقریر کے دوران ہی ذہن سوال سوچنے لگتا ہے کہ اس پر ہم کیا سوال کریں۔ میری درخواست ہے کہ جس وقت تک میں آپ سے باتیں کروں اس وقت تک آپ اپنے ذہن کو سوال بنانے میں مشغول نہ ہونے دیں۔

سب سے بڑا خسارہ:

پہلی بات تو یہ ہے کہ آپ اس بات کی بھرپور کوشش کریں کہ آپ کے پاس اسلام کا جو سرمایہ ہے وہ کھونے نہ پائے، اگر آپ کو ذرا سا تصور آجائے کہ دنیا کی زندگی کتنی مختصر ہے اور آنے والی زندگی کتنی طویل ہوگی اور آخرت میں کن مراحل سے گذرنا پڑے گا تو آپ کے رونگٹے کھڑے ہو جائیں بلکہ ہو سکتا ہے کہ آدمی کا شدت پریشانی میں دم نکل جائے، اگر اس ملک میں ہم نے سب کچھ کیا لیکن آخرت کے استحضار اور خدا کے خوف کی یہ کمائی لٹا دی تو ہم سے بڑھ کر کوئی بدنصیب نہ ہوگا، میں ایک حقیقت پسند انسان کی حیثیت سے کہتا ہوں کہ خدا کی قسم دانے دانے کو محتاج ہونا اس سے کہیں بہتر تھا کہ ہم اپنے آپ کو اس خطرے میں ڈالیں اور اپنی اولاد کے دینی مستقبل کو داؤں پر لگائیں۔ سب کچھ ملا اور ہم اپنے ایمان کی دولت کھو بیٹھے تو یہ سب سے بڑا خسارہ ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص میں تین باتیں ہوں گی اس کا ایمان مکمل ہوگا۔ ان میں سے ایک یہ کہ اس تصور سے کہ وہ کفر کی طرف واپس جا سکتا ہے اس پر ایسی دہشت طاری ہو کر جیسے کوئی کسی کو پکڑ کر آگ میں ڈالنے لگے۔

ہم ان آیتوں کے مصداق نہ ہوں کہ،

قل هل ننبئكم بالأخسرين أعمالا، الذين ضل سعيهم وهم يحسبون أنهم يحسنون صنعا،

(ہم تمہیں بتائیں وہ لوگ جو اپنے عمل کے اعتبار سے بڑے نقصان میں رہنے والے ہیں یہ وہ لوگ ہیں کہ جن کی ساری کوشش دنیا کی زندگی میں بھٹک کر رہ گئی)۔ اس میں بڑی عبرت کی چیز ہے وہ یہ کہ وهم يحسبون أنهم يحسنون صنعا۔ وہ بیچارے یہ سمجھتے ہیں کہ ہم بہت اچھا کام کر رہے ہیں۔ مجھے یہ ڈر ہے کہ یہ آیت ہم لوگوں پر ہی منطبق نہ ہوتی ہو۔ بہت سے لوگ ایسے ہیں کہ جو غلط کام کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ غلط کام کر رہے ہیں اور موجودہ تہذیب میں عجیب بات ہو گئی ہے کہ آدمی یہ نہیں سمجھتا کہ وہ غلط کام کر رہا ہے، اپنے عمل پر وہ مطمئن ہوتا ہے کہ وہ اچھا کر رہا ہے مثلاً کوئی پوچھے تمہارے بھائی کیا کر رہے ہیں تو وہ کہے وہ امریکہ میں ہیں۔ ماشاء اللہ وہ امریکہ میں ہیں اور دونوں ہاتھوں سے دولت لوٹ رہے ہیں امریکہ میں اتنی کمائی ہے، امریکہ میں اتنے سو ڈالر ملتے ہیں۔ یہ تو وہاں کہا جاتا ہوگا، اور ہم یہاں کہتے ہیں کہ "ہم تو بڑے اچھے رہے، حیدرآباد، یوپی، بہار، لاہور اور کراچی میں ہوتے تو کیا کماتے؟ ہم کو تو یہاں وہ مل رہا ہے جو وہاں گورنر اور منسٹر کو بھی نہیں ملتا، يحسبون أنهم يحسنون صنعا

پہلی بات تو یہ کہنا ہے کہ اسی سے ڈریئے اور ہر حالت پر، ہر ترقی پر ایمان کی سلامتی کو ترجیح دیجئے کہ ایمان یہاں سے سلامت چلا جائے، حشر کے دن ایمان کی حالت میں اٹھیں، میں تو کہتا ہوں کہ امریکہ سے جو شخص ایمان کو لے کر اٹھے گا تو شاید اس کا اجر اس سے بڑا ہو جو عرب کی سرزمین سے اٹھے، کیونکہ انہوں نے اپنے ایمان کے شمع کی حفاظت آندھیوں کے طوفان میں کی، حدیث میں آتا ہے آپ نے فرمایا کہ "جو میرے بھائی ایسے ہوں گے جو ایمان پر قائم رہیں گے اور دین کی پابندی کریں گے"، صحابہ کرامؓ نے کہا یا رسول اللہ ہم آپ کے بھائی نہیں ہیں؟ آپ نے فرمایا. تم تو میرے ساتھی ہو، لیکن میرے بھائی وہ ہیں جنہوں نے مجھے دیکھا نہیں وہ بہت بعد میں آئیں گے انہیں ایمان بالغیب ہوگا۔

امریکہ میں ولایت کا درجہ:

اس میں بالکل مبالغہ نہیں کہ آپ حضرات امریکہ میں ولایت کا اعلیٰ سے اعلیٰ درجہ حاصل کر سکتے ہیں اور اللہ کو آپ کا عمل کہیں زیادہ عزیز ہوگا۔ جب بچہ کہیں دور چلا جاتا ہے تو ماں کا دل زیادہ اٹکا رہتا ہے اور وہ دعا کرتی ہے کہ میرا بچہ پردیس میں ہے۔ آپ اسلام کے وہ بچے ہیں جو مادیت کے نرغے میں ہیں، آپ پر آپ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نظر اور اللہ کی نظر زیادہ ہوگی، آپ پر زیادہ رحمت ہوگی، آپ خدا کی رحمت سے ہرگز مایوس نہ ہوں۔

ایمان کو ہر حال میں ترجیح دیجئے

فقر و فاقے کی حالت میں ایمان لاکھ درجے بہتر ہے، اس دولت اور سلطنت کے ساتھ جو ایمان کے ساتھ نہ ہو، ماشاء اللہ آپ سب ذہین اور تعلیم یافتہ ہیں اور آپ میں طلب ہے اور طلب آپ کو یہاں لے کر آئی ہے۔ اگر آپ کو ذرا خطرہ محسوس ہو کہ یہاں ایمان کا خطرہ ہے تو چاہے آپ کو پیدل جانا پڑے سب اہل وعیال کو پیدل لے کر چلے جائیں، کسی ایمان کی بستی میں اور وہاں ایمان کی حفاظت کیجئے۔ اور کوشش یہی کیجئے کہ فلا تموتن الا وانتم مسلمون۔

میں دو منٹ کا وقفہ دیتا ہوں تاکہ آپ اس کو ذہن نشین کر لیں۔

رضائے الٰہی: دوسری بات یہ ہے کہ اپنی نیت کی تصحیح کرتے رہیں، جو کام کریں وہ رضائے الٰہی کے لئے کریں اور کسی جاہ و منصب، عہدہ اور غرض کو بیچ میں نہ لائیں، یہ تو خود انشاء اللہ آپ کی قابلیت اور محنت کے مطابق ملے گا، لیکن نیت ہمیشہ درست رکھیں تاکہ عمل کا صحیح ثواب ملے، حدیث میں آتا ہے "انما الاعمال بالنیات ولکل

خدا کے یہاں وہی عمل وزنی ہوتا ہے جو ایمان واحتساب کے ساتھ ہو۔

دنیا میں آج اسلام جو محفوظ اور زندہ ہے اس میں صحابہؓ، محدثینؒ، فقہاءؒ اور صوفیا سب کا حصہ ہے

امرئ ما نوی فمن کانت ھجرته الی اللہ ورسوله فھجرته الی ماھاجر الیه ومن کانت ھجرته الی دنیا او امراۃ یصیبھا فھجرته الی ماھاجر الیھا - بخاری شریف کی پہلی حدیث ہے۔ حضورؐ نے فرمایا، تمام اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے اور ہر ایک کو اپنے عمل میں سے اتنا ہی حصہ ملے گا جتنا اس نے کیا اور اس کے حصے میں اتنا ہی لکھا جائے گا، اگر کسی شخص کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کے سلسلے میں ہے تو اس کو وہی ملے گا اگر کسی کی ہجرت دنیا حاصل کرنے کے لئے یا نفس کے تقاضے کو پورا کرنے کے لئے ہے یا کسی محبت کسی عقد و تعلق کے لئے ہو تو اس کی ہجرت اسی حصے کی شمار ہوگی اور وہ اس کا مہاجر کہلایا جائے گا اس لئے اپنی نیت کی تصحیح کر لیا کریں سیکڑوں میں نیت مسلمانوں کی خدمت کی ہو انشاء اللہ آپ کو جہاد کا اور بعض مرتبہ شہید کا ثواب ملے گا۔

دعا کا وزن: آپ دعاؤں کا اہتمام کریں تاکہ عمل وزنی ہو، خدا کے یہاں وہی عمل وزنی ہوتا ہے جو ایمان واحتساب کے ساتھ ہو، رمضان کے متعلق آتا ہے ایماناً واحتساباً رمضان کے روزے رکھیں اللہ کی باتوں پر یقین رکھتے ہوئے۔ کوئی پوچھے بھلا روزہ بھی کوئی بدنیتی سے رکھ سکتا ہے؟ ایک ہوتی ہے بدنیتی ایک ہوتی ہے بے نیتی۔ میں کہا کرتا ہوں کہ مسلمان بدنیتی کے کم شکار ہیں لیکن بے نیتی کے زیادہ شکار ہیں یعنی سرے سے غور ہی نہیں کیا کہ کوئی نیت ہونی چاہئے، بس کر رہے ہیں، میکینکل طریقے پر یہ سودمند نہیں۔ نیت اور اخلاص پیدا کرنے کی کوشش کریں۔

اپنا محاسبہ کرتے رہیں:

تیسری بات یہ ہے کہ اپنی طرف سے غافل نہ رہیں، بلکہ اپنے دل کا، اعمال کا، نفس کا محاسبہ کرتے رہیں خود ممتحن بن جائیں اور اس کو ٹٹولتے رہیں، اس کے لئے میں آپ کو مشورہ دوں گا کہ آپ سال دو سال کے بعد اپنے اپنے ملک کچھ عرصے کے لئے ضرور جایا کریں، وہاں سے رابطہ قائم کریں، ہندوستان، پاکستان اور حرمین شریفین ہو تو اور زیادہ بہتر ہے، اور وہاں رہ کر اچھے حقانی، ربانی لوگوں کی خدمت میں حاضر ہوں اور جو بے غرض ہیں، جن کے پاس بیٹھ کر خدا یاد آتا ہے، ان سے ملاقات کریں، یا کسی دینی ماحول میں تھوڑا وقت گذاریں، اگر یہیں بسے تو وہ خرچ ہوتا جائیگا، خرچ ہوتا جائیگا جیسے کہ بیٹری ہو اور اس کا مسالہ ختم ہوتا جائے اگر نئے سیل نہ رکھیں تو وہ ختم ہو جائے گا اسی طرح سے اپنے دلوں کی بیٹری کو بھی ہمیشہ نئے سیل دیتے رہیں اور تھوڑے تھوڑے وقفے دو برس کے بعد، چار برس کے بعد سہی مگر آپ وطن چلے جائیں، ہم نے دیکھا ہے کہ جو لوگ اپنے ملک سے تعلق رکھتے ہیں ان میں کچھ اور بات ہوتی ہے اور وہاں سے جو لوگ منقطع ہو گئے ان میں وہ بات نہیں رہی انہیں معلوم نہیں کہ دین کا کیا معیار ہے کیا کیفیات ہیں خارجی بالکل نماز کی جگہ نماز روزے کی جگہ روزہ کوئی چیز کم نہیں، یہاں بھی کرتے ہیں مگر ان کو یہ اندازہ نہیں ہوتا کہ اس میں کتنا خول پیدا ہو گیا، اس کے اندر کتنا بھراؤ ہے اور اللہ کے مقبول بندوں کا کیا حال ہے کیسی ان کی نمازیں ہوتی ہیں، کیسی ان کی عبادتیں ہوتی ہیں، کیسا ان کا ذوق ہے۔

تجربے کی بات: اس کو یاد [illegible] سمجھا جانا چاہئے اور یہ ہندوستان، پاکستان اور حرمین شریفین کا تو پوچھنا ہی کیا، وہاں اسلامی ماحول ہے اور ایسے لوگ جن کے پاس بیٹھنے سے واقعی دل کا زنگ چھوٹتا ہے یہ بات میں بڑے تجربے کی بنا رہا ہوں حجاز میں اس کا تجربہ ہے جہاں میں برابر جاتا رہتا ہوں وہاں میں نے دیکھا کہ جن خاندانوں نے ہندوستان سے تعلق رکھا اور اپنے ملکوں سے تعلق باقی رکھا ان کی حالت دیکھ کر ان لوگوں سے جنہوں نے حجازی تمدن اختیار کر لیا اور بالکل ہندوستان سے کٹ گئے ظاہر ہے کہ حرمین شریفین تو اصل مرکز ہے اسلام کا لیکن وہاں بھی مغربی تہذیب کے جراثیم پہونچ رہے ہیں اور دولت کی جو افراط ہے وہاں جا کر یہ اطمینان پیدا ہو جاتا ہے کہ ہمارا کیا کہنا ہم تو اہل حرم ہیں، کعبہ کی دیوار کے سائے میں ہیں، تو جو لوگ وہاں سے تعلق رکھتے ہیں، آتے جاتے رہتے ہیں اردو سے تعلق رکھتے ہیں، جس میں دینی کتابیں نکلتی ہیں، رسالے نکلتے ہیں، علماء آتے ہیں تو اپنے یہاں ٹھہراتے ہیں، ان سے مسائل پوچھتے ہیں ان کی دینی حالت بہتر ہے جو لوگ اب بھی ہندوستان سے تعلق رکھتے ہیں وہ حرم شریف زیادہ جاتے ہیں، عمرہ زیادہ کرتے ہیں ان میں مدینہ طیبہ کا زیادہ ادب پایا جاتا ہے رسول اللہ کی ذات گرامی سے عاشقانہ تعلق ان میں ہوتا ہے۔

ایک بات اپنے تجربے کی یہ بتاتا ہوں کہ آپ جہاں جہاں سے آئے ہیں وہاں سے تعلق رکھیں یا وہاں کے لوگوں کو بلائیں۔ بہت سے اللہ کے بندے ہیں ان کو بلایئے تبلیغی جماعت کے لوگ آتے ہیں یہ نہ دیکھیں کہ ان کی کیا کمزوریاں ہیں، ان کی جو چیز اچھی ہے، ان کی جو نمازیں ہیں ان کا جو دینی ذوق ہے، ان سے آپ فائدہ اٹھائیے۔ آپ جہاں سے آئے ہیں اس سے بالکل منقطع نہ ہونے پائیں۔ وہاں کے جو علماء اور صلحاء ہیں ان کے پاس وقت صرف کریں۔ کراچی ہو لاہور ہو، حیدرآباد ہو، سب جگہ اللہ کے بندے موجود ہیں، ان کے پاس جائیں اور ایک دو ہفتے ان کے پاس رہیں اور ان لوگوں کے پاس بیٹھیں جن کے دلوں میں ابھی حرارت ہے۔

سلف سے حسن ظن رکھئے:

چوتھی بات یہ ہے کہ آپ امریکہ میں ہیں، آپ باذوق بھی ہیں، اسلامی لٹریچر پڑھتے ہیں، میں نے دیکھا کہ یہاں اچھی اچھی کتابیں انگریزی اور اردو کی پڑھی جاتی ہیں اور مسلم ممالک کے مفکرین، علماء اور قائدین یہاں آتے ہیں اور ان کی تقریریں ہوتی ہیں، ایک بات میں اپنے تجربے کی بنا پر کہتا ہوں کہ آپ سلف صالحین اور امت کے وہ لوگ جنہوں نے اپنے اپنے دائرے میں دینی اور ملی کام کیا ہے ان سے بدگمان نہ ہوں، یہ بہت خطرناک بات ہے، یہ بات ہمارے ان بھائیوں میں بہت زیادہ پیدا ہوتی جا رہی ہے جن کا سارا انحصار مطالعہ پر ہے، وہ تنقیدی کتابیں پڑھتے ہیں تو ان کو ایسا نظر آنے لگتا ہے کہ کسی نے اسلام پر مکمل کام ہی نہیں کیا اور جو اصطلاحات انہیں اس طرح کی کتابوں میں ملتی ہیں وہ جب تاریخی حالات پڑھتے ہیں تو انہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک فیتہ ہے، اس سے ہر ایک کو ناپتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ فٹ ہوتا ہے یا نہیں۔ اگرچہ یہ فیتہ اور سانچا ہمارا بنایا ہوا ہے۔ یہ ہم نے سمجھا ہے، یہ کیا معلوم کہ قرآن مجید سے یہ صحیح بھی ہو؟ تو ہم ایک گز بنا لیتے ہیں اور اس سے ہر ایک کو ناپتے ہیں، جیسے فوج میں بھرتی ہونے والے رنگروٹ ناپے جاتے ہیں، یہ صحیح نہیں۔

آپ کو معلوم نہیں کہ ان اللہ کے بندوں نے کن حالات میں کام کیا، میں مثال کے طور پر کہتا ہوں کہ اگر کوئی یہ کہے کہ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ جو پیران پیر اور غوث الاعظم کہلاتے ہیں ان کا یہ حال تھا کہ وہ تو کوئی اسلامی سلطنت قائم نہیں کر سکے۔ اور بیٹھے بیٹھے وعظ کہتے تھے ایک عباسی خلیفہ ظلم کر رہا تھا۔ اور اسلامی نظام کو اس نے بالکل معطل کر رکھا تھا اور خلافت پر قابض تھا اور خلافت علی منہاج النبوت قائم نہیں تھی وغیرہ"

حضرات! آپ کو معلوم نہیں کہ اس خدا کے شیر نے کیا کام کیا۔ آج تک افریقہ کا احسان مند ہے کہ وہاں اسلام ان کے سلسلہ سے چلا، انڈونیشیا، ہندوستان اور ملک ملک میں اسلام ان کے ذریعہ سے داخل ہوا اور انہوں نے کتنے دلوں کی مسیحائی کی، نہ معلوم کتنے لوگوں کو کفر و شرک سے نکالا، پھر وہ یہ سمجھتے تھے کہ یہ جو عباسی خلفاء تھے یہ رسول اللہ کے خاندان کے لوگ یہ قرآن مجید اس طرح سمجھتے ہیں جس طرح ہم سمجھتے ہیں۔ عربی النسل لوگ ہاشمی آخر کیا بات ہے کہ یہ خلافت کا حق ادا نہیں کرتے۔ اصل بات یہ ہے کہ دنیا کی محبت ان پر غالب ہے۔ یہ نفس کے بندے بن گئے ہیں تو معلوم ہوا کہ ساری خرابی کی جڑ نفس کی بندگی اور دنیا کی محبت ہے۔ وہ اس کو دور کرتے تھے۔ میں آپ سے

ہر کام رضائے الٰہی کے لئے کیجئے

پوچھتا ہوں کہ آج پاکستان میں کیا خرابی ہے؟ کیا یہ مسلمان نہیں ہے جنھوں نے اسلام کے نام پر ملک بنایا تھا، کل ہی مجھے ایک دوست نے بتایا کہ ہمارے ایک دوست کا لڑکا جلوس میں مظاہرہ کر رہا تھا کسی نے نعرہ لگایا کہ پاکستان کی بنیاد کس پر ہے؟ تو اس نے کہا کہ "لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ" پر، اسی وقت گولی کھائی اور شہید ہو گیا۔ بتائیے مسلمان کے ہاتھ سے گولی کھائی یا کوئی ہندو راجپوت نے ہندوستان سے جاکر گولی ماری؟ یہ جو ہو رہا ہے کہ مسلمان مسلمان کو مار رہا ہے کیوں مار رہا ہے؟ اگر کوئی خدا کا بندہ اس فساد کی جڑ دنیا کی محبت اور نفس پرستی کو سمجھتا ہے تو اس نے کیا غلط کام کیا کہ ساری عمر اس سے لڑتا رہا۔

لٹریچر پڑھ کر اگر یہ ذہن بن جائے کہ ایک ہی کام ہے، اگر کسی نے اسلامی حکومت قائم کرنے کی کوشش نہیں کی تو گویا اس نے کوئی کام نہیں کیا، چاہے وہ شیخ عبد القادر جیلانی رح ہوں یا حضرت مجدد الف ثانی رح ہوں یا حضرت شاہ ولی اللہ رح ہوں، یہ ایک خطرناک خیال ہے اور تاریخ کے سطحی مطالعہ کا نتیجہ ہے میں صاف کہتا ہوں کہ اسلام اب جو دنیا میں محفوظ ہے اور زندہ ہے اس میں سب کا حصہ ہے، محدثین، فقہاء، صلحاء امت اولیاء اللہ سب کا اس میں حصہ ہے۔

اگر کوئی یہ کہے کہ "امام ابو حنیفہ رح کیا کرتے تھے؟ نماز روزے کے مسائل بتاتے تھے، انہیں تو اسلامی خلافت و سلطنت قائم کرنی چاہیے تھی" تو صاحب خلافت تو قائم ہو جاتی لیکن آپ کو نماز پڑھنا کون سکھاتا؟ اور وہ خلافت کس کام کی جس میں نماز پڑھنا کسی کو نہ آتا ہو؟ الذین ان مکنٰھم فی الارض اقاموا الصلوٰة وآتوا الزکوٰة، خلافت کا مقصد بھی بتایا ہے نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ دینا، نماز جو ہے وہ حکومت الٰہیہ کا وسیلہ نہیں ہے حکومت الٰہیہ کا مقصد ہے، حکومت الٰہیہ اس لئے ہے کہ نماز پڑھی جائے، نماز اس لئے نہیں ہے کہ حکومت الٰہیہ قائم ہو، دیکھئے میں یہ آیت پھر پڑھتا ہوں، الذین ان مکنّٰھم فی الارض و اقاموا الصلوٰة وآتوا الزکوٰة وامروا بالمعروف ونھوا عن المنکر وللہ عاقبة الامور۔ وہ لوگ جن کو ہم زمین میں اقتدار دیں گے تو وہ نماز قائم کریں گے، زکوٰۃ دیں گے، یہ نہیں کہ جن کو ہم نماز پڑھنا سکھائیں گے وہ حکومت قائم کریں گے۔ ترتیب الٰہی ترتیب یہ ہے کہ

حکومت اس لئے ہے کہ نماز پڑھنے کے لئے فضا ہموار ہو کوئی عذر نہ کر سکے حق تعالیٰ فرماتے ہیں، حتی لا تکون فتنة ویکون الدین کلہ للہ، یہ خیال آپ کے دل میں نہ آئے کہ سب ناقص تھے کسی نے اسلام کو سمجھا نہیں، کسی نے پورے اسلام کو قائم کرنے کی کوشش نہیں کی، کوئی وعظ کہہ رہا تھا، کوئی تقریر کر رہا تھا، کوئی کتابیں لکھ رہا تھا، کوئی فتوے دے رہا تھا اور کوئی حدیث پڑھا رہا تھا۔

صوفیاء کا کارنامہ:

جن لوگوں نے اپنی جگہ بیٹھ کر اللہ کا نام سکھایا اور لوگوں کی تربیت کی ان کے کام کی تحقیر نہ کی جائے، یہ کام انہوں نے کیا جن کو عرف عام میں صوفیائے کرام بھی کہتے ہیں، آپ کو معلوم نہیں کہ صوفیائے کرام نے کیا خدمت انجام دی؟ انہوں نے اسلامی معاشرے کو زوال سے بچایا، اس کا میرے پاس ثبوت ہے انہوں نے ایسا بنیادی کام کیا کہ اگر وہ نہ کرتے تو یہ مادیت کا سیلاب لوگوں کو بہا کرلے جاتا اور تنکے کی طرح امت اسلامیہ بہتی، انہیں کی وجہ سے لوگ رکے ہوئے تھے اور ہوس رانی، نفس پرستی، اور بوالہوسی کا بازار گرم نہیں ہونے پاتا تھا اور جو کوئی اس کا شکار ہو جاتا تھا، فوراً احساس پیدا ہوتا تھا کہ ہم سے غلطی ہوئی، آتا تھا، روتا تھا، استغفار کرتا تھا، پھر یہ صوفیاء آدمی کام کے بناتے تھے اور رفع کرتے تھے، تاریخ ہماری ناقص ہے، میں نے "تاریخ دعوت و عزیمت" کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ نقص تاریخ نویسی کا ہے نقص تاریخ اسلام کا نہیں، تاریخ اس طرح سے لکھی گئی ہے کہ وہ سرکار دربار کے گرد گھومتی ہے اس میں ان اصلاحی کوششوں کا جائزہ نہیں لیا گیا اور کوئی خلا نہیں، یہ کبھی نہ سمجھئے گا کہ اسلام کو اب کچھ لوگ سمجھے ہیں اس سے پہلے کوئی پورے اسلام کو سمجھا ہی نہیں، یہ اسلام پر بڑا الزام ہے، یہ اسلام کی صلاحیت پر بڑا الزام ہے یہ قرآن شریف کی زندگی اور قرآن شریف کی صلاحیت اور "کتاب عربی مبین" "لسان عربی مبین" ان سب کے خلاف ہے کہ جو کتاب ۸۰۰ سو برس تک، بارہ سو برس تک نہ سمجھی گئی ہو، اب کیا احتمال ہے کہ وہ صحیح سمجھی گئی ہو؟ اسلئے میں ہر اس تحریر کو مضر سمجھتا ہوں جو یہ تاثر دے کہ پورے اسلام کو ۸۰۰ برس تک نہیں سمجھا گیا یا بعض بعض اسلامی بنیادی حقیقتیں اس وقت تک بالکل تاریکی میں ہیں، میں بالکل ماننے کے لئے تیار نہیں، بالکل تسلسل

ہے کہ جیسے نماز چلی آ رہی ہے شروع سے اس وقت تک یہی تین رکعت نماز جو آپ نے مغرب کی پڑھی ہے اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہی تین رکعت نماز مغرب کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھی ہی تسلسل اسلام کے جو بنیادی اصطلاحات ہیں قرآن کے جو حقائق ہیں اور دین کے جو قطعیات ہیں وہ بھی تسلسل کے ساتھ ہوتے چلے آ رہے ہیں اگر کوئی سمجھتا ہے کہ وہ عرصہ تک نہیں سمجھے گئے تو یہ اس کے نظر کی کوتاہی ہے، ایک بات بھی کوئی ثابت کر دے کہ یہ حقیقت بالکل عالم اسلام بھول گیا، شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ ایک سنت بھی نہیں ہے جو پورے طور پر عالم اسلام سے اُٹھ گئی ہو، اگر اس کونے پر موجود نہیں تو اس کونے پر موجود۔

جہاں میں اہل ایماں صورت خورشید جیتے ہیں
ادھر ڈوبے ادھر نکلے، ادھر ڈوبے ادھر نکلے

جیسے آج سورج نہیں ڈوبتا ہے ہم سمجھتے ہیں کہ سورج ایک جگہ غروب ہے دوسری جگہ نکلا ہے، ویسے ہی اسلام کی حقیقتیں کہ اگر کہیں ایک جگہ پردہ پڑ گیا ہے تو دوسری جگہ وہ لوگ بیدار ہو گئے ہیں جنھوں نے اس کے لئے جان کی بازی لگا دی ہے، یہ بات ذہن میں ہرگز نہیں آنی چاہیئے کہ ۸۰۰ برس گذر گئے کسی نے اسلام کو سمجھا ہی نہیں گویا اسلام کوئی چیستان ہے، عقیدہ تثلیث کی طرح ایسی چیز ہے جسے سمجھانے کے لئے خدا نخواستہ بڑا فلسفہ چاہیئے، نہیں! ایسا نہیں، ممکن ہے ہم سے آپ سے دوبارہ ملنا نہ ہو۔ یہ باتیں آپ کی خدمت میں عرض کر رہا ہوں، بغیر کسی جارحانہ خیال اور کسی تخریبی خیال کے، صرف اس لئے کہ پوری وضاحت کے ساتھ یہ باتیں آپ کے سامنے آ جائیں ایک بات تو یہ کہ سلف پر حسن ظن رکھئے، قرآن شریف میں ہے والذین جاؤا من بعدھم یقولون ربنا اغفر لنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان ولا تجعل فی قلوبنا غلا للذین آمنوا ربنا انک رؤف رحیم، اور جو لوگ ان کے بعد آئے یعنی انصار و مہاجرین کے بعد وہ کہتے ہیں کہ اے اللہ ہماری بھی مغفرت فرما، ہمارے ان بھائیوں کی مغفرت فرما جو ہم سے پہلے گذر چکے ہیں اور ہمارے دل میں کسی مسلمان کی طرف سے کوئی کھوٹ اور کپٹ نہ رکھ۔

جو چارج لیتا ہے یا کمیونسٹوں کی طرح جو سکریٹری اور وزیر بن جاتا ہے اپنی تقریروں میں پہلے لوگوں کے بارے میں کہتا ہے کہ وہ غدار تھے قوم کے خائن

تھے، ایسا نہیں ہونا چاہیئے آپ سلف کے ساتھ حسن ظن رکھئے اس میں ایمان کی بڑی حفاظت ہے۔ ورنہ آدمی کی زبان بیباک ہو جاتی ہے اور آدمی جو چاہتا ہے کہہ دیتا ہے، بھائی وہ لوگ نہیں سمجھے جو ہم سے علم میں، عمل میں، انابت میں ہم سے بڑھے ہوئے تھے جب وہ نہیں سمجھے تو ہم کیسے اعتبار کریں کہ ہم سمجھ گئے۔

نمازوں کا اہتمام:

ایک چیز یہ کہ اس ملک میں ایمان کے حفاظت کی صورت یہ ہے کہ آپ نمازوں کو ہاتھوں سے نہ جانے دیں۔ نمازوں کو وقت پر پڑھنے کی پوری کوشش کریں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ تمہارے تمام امور و معاملات میں سب سے اہم نماز ہے جس نے اس کی حفاظت کی وہ تمام چیزوں کی حفاظت کرے گا اور جس نے اس کو ہاتھ سے جانے دیا اور ضائع کر دیا وہ کوئی چیز باقی نہیں رکھے گا، بس نماز کو قائم رکھئے، چاہے دفتر میں ہوں، یا بازار میں یا کہیں بھی فرض پڑھ ہی لیجئے باقی سنتوں کو بھی حتی الامکان ادا کرنے کی کوشش کیجئے، یہ سنتیں اور نوافل فرائض کو بھی محفوظ رکھتی ہیں۔

اور آخری بات یہ ہے کہ یہاں کی تہذیب جو مروج ہے اس سے اپنی حفاظت کیجئے، مجھے یہاں بعض باتوں میں بہت تساہل نظر آیا میں صاف کہے دیتا ہوں کہ یہاں مردوں اور عورتوں کا اختلاط ہے، حتی الامکان مخلوط اجتماعات سے بچنے کی کوشش کیجئے، اگر کہیں مجلس ہو جہاں عورتوں کی شرکت ہو، اور وہاں آپ کی شرکت ضروری ہو تو ان کا حلقہ الگ رکھئے، یہاں تک کہ ان کا راستہ تک الگ رکھئے، اس میں بڑی حفاظت ہے، اسلامی معاشرت بڑی حکمتوں پر مبنی ہے اور حدیثوں میں مردوں اور عورتوں کے نکلنے کے لئے بہت سخت الفاظ آئے ہیں، بہت ڈرایا گیا ہے، جہاں تک ہو سکے امریکی تہذیب کے ان اثرات کو آپ قبول نہ کریں۔ بس اپنے تمدن اپنے معاشرت کی حفاظت کریں اور اسکے اچھے خصوصیات اور ان کے اچھے اجزاء کو باقی رکھنے کی کوشش کریں۔

آخر میں میں آپ حضرات سے یہ عرض کروں گا کہ خدا کرے کہ میری گفتگو سے آپ کو غلط فہمی نہ ہو اور یہ نہ سمجھیں کہ میں کوئی جارحانہ یا منفی بات کہہ رہا ہوں بلکہ یہ میں نے آپ کی ہمدردی میں کہا اور اپنا فرض سمجھ کر کہا، میرے دل میں سب کا احترام ہے اور وسعت قلب میں بدنامی کی حد تک مشہور ہوں کہ میرے تعلقات خدا کے فضل سے مختلف الخیال لوگوں سے ہیں۔ لیکن ہم

اس عظیم قربانی کی یادگار جو چار ہزار سال قبل خدا کے حضور پیش کی گئی

عیدِ قرباں

تہوار اور انسان کی سماجی زندگی میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔ جب سے آدمی نے اس زمین پر سماجی زندگی بسر کرنی شروع کی ہے غالباً اسی وقت سے تہوار منانے کا سلسلہ بھی چلا آ رہا ہے۔ دنیا میں کوئی قوم ایسی نہیں ہے اور کبھی نہیں رہی جس نے سال میں دو چار یا دس پانچ دن اس غرض کے لئے مخصوص نہ کئے ہوں یہ تہوار دراصل سماج کی جان ہیں۔ لوگوں کا ایک جگہ جمع ہونا، مشترک جذبات کا مظاہرہ کرنا مل کر خوشیاں منانا، ایک ہی قسم کی مقررہ رسمیں ادا کرنا یہ اپنے اندر سرشش کی سی خاصیت رکھتا ہے۔ جس سے افراد آپس میں جڑ کر ایک مربوط سوسائٹی بنتے ہیں۔ اور ان میں اجتماعی روح نہ صرف پیدا ہوتی ہے بلکہ تھوڑے تھوڑے وقفوں سے تازہ اور بیدار ہوتی رہتی ہے۔

عموماً جو تہوار دنیا کے مختلف ملکوں اور قوموں میں منائے جاتے ہیں۔ ان کا جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر تہوار یا تو کسی اہم واقعہ کی یادگار میں منایا جاتا ہے، یا کسی بڑے شخص کی ذات سے منسوب ہوتا ہے یا کسی خاص مذہبی تقریب سے تعلق رکھتا ہے۔ بہرحال تہوار کے لئے کوئی نہ کوئی ایسی تقریب ضروری ہے جو ایک قوم کے افراد یا ایک ملک کے باشندوں کیلئے مشترک دلچسپی کی چیز ہو اور جس سے ان کے گہرے جذبات وابستہ ہوں۔ اسی وجہ سے ایک قوم یا ملک کے تہواروں میں دوسری قوم یا ملک کے لوگ دلچسپی نہیں لیتے اور کسی مصلحت سے بہ تکلف دلچسپی لینا چاہیں تو لے نہیں سکتے، کیونکہ ایک قوم کا تہوار جن روایات سے تعلق رکھتا ہے وہ دوسری قوم کے جذبات و احساسات میں وہ حرکت پیدا نہیں کرتیں جو خود اس قوم میں پیدا کرتی ہیں۔

تہوار منانے کے طریقے بھی دنیا کی مختلف قوموں میں بیشمار ہیں۔ کہیں صرف کھیل کود اور راگ رنگ اور لطف و تفریح تک ہی تہوار محدود ہوتا ہے، کہیں تفریحات، تہذیب کی حد سے گذر کر فسق و فجور اور ناشائستگی کی حد تک پہنچ جاتی ہیں۔ کہیں مہذب تفریحات کے ساتھ کچھ سنجیدہ مراسم بھی ادا کئے جاتے ہیں اور کہیں اجتماعی تفریحوں سے فائدہ اٹھا کر لوگوں میں اعلیٰ درجہ کی اخلاقی روح پھونکنے اور کسی نصب العین کے ساتھ محبت اور گرویدگی پیدا کرنے کی کوشش کیجاتی ہے غرض ایک قوم کا تہوار منانے کا طریقہ گویا ایک پیمانہ ہے۔ جس سے آپ اس کے مزاج اور اس کے حوصلوں اور امنگوں کو علانیہ ناپ کر دیکھ سکتے ہیں، جتنی بلند اخلاقی روح کسی قوم میں ہوگی اتنے ہی اس کے تہوار مہذب اور پاکیزہ ہوں گے اور اسی طرح اخلاقی اعتبار سے کوئی قوم جتنی پست ہوگی وہ اپنے تہواروں میں اتنے ہی مکروہ مناظر پیش کرے گی۔

اسلام چونکہ ایک عالمگیر اصلاحی تحریک ہے جو کسی خاص ملک یا قوم سے تعلق نہیں رکھتی۔ بلکہ تمام دنیا کے انسانوں کو ایک خدا پرستانہ تہذیب کا پیرو بنانا چاہتی ہے۔ اس لئے اس نے جہاں زندگی کے ہر شعبہ کو اپنے خاص رنگ میں ڈھالا ہے اسی طرح تہواروں کو بھی ایک نئی شکل دی ہے جو دنیا بھر کے تہواروں سے مختلف ہے۔ سماجی زندگی میں تہوار کی جو اہمیت ہے، اور سماج میں اجتماعی تقریبات کی جو ایک قدرتی پیاس پائی جاتی ہے اس کو تو اسلام نے نظر انداز نہیں کیا ہے بلکہ اس سے فائدہ اٹھانے کی پوری کوشش کی ہے۔ مگر تہوار کی تقریب اور تہوار کے منانے کے طریقے، اور تہوار کی اخلاقی روح میں بنیادی تغیر کر دیا جاتا ہے جس کی تین اہم خصوصیات کی طرف میں آپ کو توجہ دلاؤں گا۔

ایک عالمگیر تحریک قومی تہواروں کو پسندیدگی کی نظروں سے نہیں دیکھ سکتی، جن تہواروں کی بنیاد الگ الگ قومی روایات پر ہو جن کے ساتھ ایک ہی قوم کے جذبات اور دلچسپیاں وابستہ ہوں اور جن میں ایک قوم کے ساتھ دوسری قوم فطرتاً شریک نہ ہو سکتی ہو۔ وہ دراصل انسانیت کی قومی تقسیم و تفریق کو مضبوط کرنے والی طاقت ہیں، وہ جس طرح ایک قوم کو اپنے اندر منظم ہونے میں مدد دیتے ہیں۔ اسی طرح ہر قوم کو دوسری قوم سے پھاڑنے اور الگ کرنے کی خدمت بھی انجام دیتے ہیں۔ لہٰذا کوئی ایسی تحریک جو قومیتوں سے بالاتر ہو کر انسانیت سے بحث کرتی ہو اور تمام دنیا کے انسانوں کو ایک تہذیب کے رشتے میں پرونا چاہتی ہو، اس قسم کے تہواروں کو صرف یہی نہیں کہ قبول کر سکتی بلکہ گوارہ بھی نہیں کر سکتی۔ کیونکہ وہ اس کے مقصد کی راہ میں بالفعل ایک رکاوٹ ہوتے ہیں، اس کے پیش نظر مقصد کا فطری اقتضا یہی ہے کہ جو قومیں اسکے زیر اثر آئیں ان سے وہ قومی تہوار چھڑوا دے اور ایسے تہوار مقرر کرے جن میں وہ سب شریک ہو سکتی ہوں جو بیک وقت قومی بھی ہوں اور بین الاقوامی بھی جن کی بنیاد قومی روایات و جذبات پر نہ ہو بلکہ انسانیت کے لئے مشترک اہمیت رکھنے والے جذبات و روایات پر ہو۔

پھر جو تحریک عالمگیر ہونے کے ساتھ خدا پرستانہ بھی ہو، وہ ایسے تہواروں کو اور ان تقریبات کو جو قدیم عقائد کی یاد تازہ کرنیوالی ہوں بند کر دے اور ان کی جگہ ایسے تہوار مقرر کرے جو خدا پرستی کا گہرا رنگ لئے ہوئے ہوں۔ خدا پرستی کے ساتھ لازمی طور پر اخلاق کا بھی ایک بلند نصب العین پیدا ہوتا ہے اور اسکا تقاضہ یہ ہے کہ ایک خدا پرستانہ تحریک اپنے پیروؤں کو ایسے تہوار دے جو فسق و فجور اور ناشائستگی سے بالکل خالی ہوں، جن میں لطف و تفریح تہذیب کے ساتھ اور اظہار مسرت سنجیدگی کے ساتھ ہو جو محض کھیل کود ہی پر ختم نہ ہو جائیں بلکہ جماعتی زندگی میں تہوار سے جو ایک حرکت پیدا ہو جاتی ہے اس کو اعلیٰ درجہ کے اخلاقی مقاصد کے لئے پوری طرح استعمال کیا جائے۔

اسلام نے اپنے پیروؤں کے لئے جو تہوار مقرر کئے ہیں ان میں یہ تینوں خصوصیتیں نمایاں نظر آتی ہیں، عرب، ایران، مصر اور شام اور دوسرے ملکوں میں جن قوموں نے اسلام قبول کیا ان کے بعد کے مسلمانوں نے اسلامی عہد کی اصلی شان کو کسی حد تک جاہلیت کے افعال سے

داغدار کر دیا ہے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں جس طرح عید منائی جاتی تھی اس کا نقشہ میں آپ کے سامنے کھینچتا ہوں جس سے آپ اس تہوار کی پاکیزگی کا صحیح اندازہ کر سکیں گے۔

عید کے روز صبح کو تمام مسلمان عورت مرد بچے سب غسل کرتے تھے اور اچھے سے اچھے کپڑے جو خدا نے ان کو دئے تھے پہنتے، رمضان کی عید میں نماز کے لئے جانے سے پہلے تمام خوشحال لوگ ایک مقررہ مقدار صدقے کی نکالکر غریبوں کو دیتے تھے، تاکہ کوئی شخص عید کے روز بھوکا نہ رہ جائے بقر عید میں اس کے برعکس نماز کے بعد قربانی کی جاتی تھی، ذرا دن چڑھے پر سب لوگ گھروں سے نکل کھڑے ہوتے تھے۔ حکم تھا کہ عورت مرد بچے سب نکلیں تاکہ مسلمانوں کی کثرت اور ان کی شان کا اظہار ہو، خدا سے دعا مانگنے میں بھی سب شریک ہوں اور اجتماعی مسرت میں بھی سب کو شرکت کا موقع مل جائے، عید کی نماز مسجد کے بجائے بستی کے باہر میدان میں ہوتی تھی تاکہ بڑے سے بڑا مجمع ہو سکے۔ نماز کے لئے جاتے وقت سارے مسلمان تکبیر پڑھتے چلتے تھے، اللہ اکبر اللہ اکبر لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمد۔ (اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے، نہیں ہے کوئی معبود سوا اللہ کے، اور اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے اور ساری تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں) ہر گلی ہر کوچہ ہر بازار اور ہر سڑک پر یہی نعرے لگتے جاتے تھے جن سے ساری بستی گونج اٹھتی تھی۔ عیدگاہ کے میدان میں جب سب لوگ جمع ہو جاتے تو صفیں باندھ کر سارا مجمع رسول خدا کی امامت میں پوری باقاعدگی کے ساتھ دو رکعت نماز ادا کرتا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو کر خطبہ دیتے۔ جمعہ کی نماز کے برعکس یہ خطبہ نماز کے بعد ہوتا تھا، تاکہ زیادہ سے زیادہ آدمی اپنے لیڈر کی اہم تقریر کے وقت موجود رہیں، جس کا موقع سال میں صرف دو ہی مرتبہ آتا ہے پہلے ایک تقریر مردوں کے سامنے ہوتی پھر آپ میدان کے اس حصے کی طرف تشریف لیجاتے جہاں عورتیں جمع ہوتی تھیں اور وہاں بھی تقریر فرماتے تھے ان تقریروں میں تعلیم و تلقین اور وعظ و نصیحت کے علاوہ اسلامی جماعت کے متعلق ان تمام اہم مسائل پر بھی روشنی ڈالی جاتی تھی، جو اس وقت در پیش ہوتے تھے۔ کوئی فوجی یا سیاسی مہم اگر پیش نظر ہوتی تو اس کا انتظام بھی کیا

اس مجمع میں کرو یا جاتا تھا۔ جامعی ضروریات کیطرف بھی لوگوں کو توجہ دلائی جاتی اور ہر شخص اپنی حیثیت کے مطابق ان کے پورا کرنے میں حصہ لیتا حتیٰ کہ روایات میں آیا ہے کہ عورتیں اپنے زیور تک اتار کر جماعت کی خدمت کے لئے پیش کرتی تھیں۔ پھر یہ مجمع عیدگاہ سے پلٹتا تھا اور حکم یہ تھا کہ جس راستے آئے ہو اس کے خلاف دوسرے راستے سے گھروں کی طرف واپس جاؤ تاکہ بستی کا کوئی حصہ تمہاری چہل پہل سے اور تمہاری تکبیروں کی گونج سے خالی نہ رہ جائے۔

نماز سے واپس ہو کر بقرعید کے روز تمام ذی استطاعت مسلمان قربانی کرتے تھے اس قربانی کا مقصد اس واقعہ کی یاد ہی کو نہیں بلکہ ان جذبات کو بھی تازہ کرنا تھا جن کے ساتھ عراق کا رہنے والا ایک غریب الوطن بوڑھا انسان کہ میں خدا کا اشارہ پاتے ہی خود اپنے بیٹے کو خدا کی محبت پر قربان کرنے کے لئے تیار ہو گیا اور عین وقت پر خدا نے اپنے رحم و کرم سے اس کو بیٹے کے بدلے مینڈھے کی قربانی پیش کرنے کی اجازت دے دی تھی ٹھیک اسی تاریخ کو اسی وقت تمام مسلمان دنیا میں فعل علاً کرکے اس جذبہ کو تازہ کرتے ہیں کہ حضرت ابراہیمؑ کی طرح وہ بھی خدا کے مسلم اور مطیع فرمان بندے ہیں، انہی کی طرح اپنی جان، مال، اولاد ہر چیز کو خدا کے حکم اور اس کی محبت پر قربان کرنے کے لئے تیار ہیں اور ان کا جینا اور مرنا سب خدا کے لئے ہے۔ اس نیت کا اظہار جانور کو ذبح کرنے کے فعل سے اور ان الفاظ سے ہوتا ہے جو ذبح کے وقت زبان سے ادا کئے جاتے ہیں انی وجہت ...... الخ (میں نے اپنا رُخ اس کی طرف پھیر دیا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے۔ میں ٹھیک اسی طریقہ کا پیرو ہوں جو ابراہیمؑ کا طریقہ تھا اور میں خدا کے ساتھ دوسروں کو شریک ٹھہرانے والوں میں سے نہیں ہوں میری نماز اور میری قربانی، میری زندگی اور میری موت سب کچھ اللہ پروردگار عالم کے لئے ہے جس کا کوئی شریک نہیں۔ اسی کا مجھے حکم دیا گیا ہے اور میں خدا کے فرمانبردار بندوں میں سے ہوں خدایا یہ تیرا ہی مال ہے اور تیرے ہی لئے حاضر ہے، بسم اللہ اللہ اکبر)۔

یہ الفاظ زبان سے ادا کرتے ہوئے جانور ذبح کیا جاتا تھا، اور اس منظر کو گھر کی عورتیں اور بچے سب دیکھتے تھے تاکہ سب کے دلوں میں وہی قربانی اور خدا کی اسی فرمانبرداری کے جذبات تازہ ہو جائیں، پھر یہ گوشت غریبوں اور رشتہ داروں میں تقسیم کر دیا جاتا تھا جانور کی کھال یا اس کی قیمت غریب لوگوں کو دے دی جاتی تھی، اس کے علاوہ بھی دل کھول کر خیرات کیجاتی تھی تاکہ عید صرف خوشحال لوگوں ہی کا تہوار بن کر نہ رہ جائے۔

بس یہ عید تھی جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں منائی جاتی تھی، ان "سرکاری مراسم" کے علاوہ "غیر سرکاری طور پر" جوان لوگ کچھ کھیل کود بھی لیتے تھے اور گھروں کی لڑکیاں بالیاں مل بیٹھ کر کچھ گیت گا لیا کرتی تھیں۔ مگر یہ چیز بس ایک حد کے اندر ہی تھی۔ اس سے آگے قدم بڑھانے کی اجازت نہ تھی، بلکہ سوسائٹی کے لیڈر تو جوانوں کی ان جائز خوش فعلیوں میں بھی حصہ لینے سے وہ نار وا مظاہرے کرنے کی جرأت کرنے لگیں۔ لیڈروں کا جو طرز عمل تھا اس کا اندازہ اُس واقعہ سے ہو سکتا ہے جو مستند روایات میں بیان ہوا ہے کہ ایک دفعہ عید کے روز نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ حضرت عائشہؓ کے پاس پڑوس کی دو لڑکیاں بیٹھی گیت گا رہی ہیں۔ گیت کچھ عشق و عاشقی اور شراب و کباب کے مضمون کے نہ تھے بلکہ جنگ بعاث کے زمانہ کے گیت تھے۔ لڑکیاں بھی کوئی پیشہ ور فنکار اور موسیقار نہ تھیں بلکہ گھروں کی بہو بیٹیاں تھیں جو کبھی دل بہلانے کو آپس میں بیٹھ کر معصومانہ گیت گا لیا کرتی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی اس تفریح میں دخل نہ دیا اور خاموشی کے ساتھ ایک گوشہ میں جا کر چادر اوڑھ کر لیٹ گئے تھوڑی دیر بعد حضرت ابوبکرؓ آئے اور انہوں نے اپنی صاحبزادی کو ڈانٹ بتائی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں یہ کیا شیطانی حرکت ہو رہی ہے۔ ان کی آواز سُن کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چہرے سے کپڑا اٹھایا اور فرمایا "رہنے دو" ہر قوم کی ایک عید ہوتی ہے آج ہماری عید ہے" آنحضرتؐ کا یہ ارشاد سنکر حضرت ابوبکرؓ خاموش ہو گئے مگر وہ سلسلہ جاری نہ رہا، ان کے منھ موڑتے ہی حضرت عائشہؓ نے لڑکیوں کو آنکھ کا اشارہ کیا اور وہ اپنے گھروں کو بھاگ گئیں۔ اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جوان لوگوں کے معصومانہ کھیل کود اور کچھ گا بجا لینے کو جائز تو رکھا جاتا تھا۔ لیکن بڑے خود ان دلچسپیوں میں حصہ لے کر ان کی ہمت نہیں بڑھاتے تھے۔ بعد میں جب بڑوں نے حدود کی نگہداشت چھوڑ دی تو رسی ڈھیلی ہی ہوتی چلی گئی حتیٰ کہ ناچ رنگ سے گذر کر معاملہ یہاں تک پہونچا ہے کہ

روز عید است لب خشک مے آلود کنید
چارۂ کار خود اے تشنہ لباں زود کنید

عربی سے ترجمہ

اپنی "خودی" پہچان

ابراہیم سلمان الدوسری
برکت اللہ گورکھپوری

ہم میں سے ہر ایک کی الگ حیثیت اور منفرد شخصیت ہے جس سے باہم فرق کیا جاتا ہے انگوٹھے کے نشان کی مانند جو ایک کا دوسرے سے مختلف ہوتا ہے سارے انسان ایک جیسے نہیں ہوتے کوئی نہ کوئی شے ایک کو دوسرے سے ممتاز بناتی ہے۔ یہ ممکن نہیں کہ کسی چیز کو عام لوگوں کا سانچہ قرار دیں کیونکہ انسانی وجود تغیر پذیر ہے برابر ترقی کرتا ہے۔

لیکن انسانی کے گرد و نواح کے جائزہ لینے سے یہ بات عیاں ہوتی کہ اکثر لوگ ایک ہی جیسے پائے جاتے ہیں جسے عام انسان کے لفظ سے تعبیر کیا جا سکتا ہے اور لوگوں کی اکثریت کا ہم شکل ہونے کا راز یہ ہے کہ انسان کا اپنی خودی کی تحقیق و تجسس اس کے خزانوں اور لیاقتوں کی معرفت کوئی آسان کام نہیں بلکہ ضد بازی اور ہوا پیمائی سے بھی دشوار ہے، چنانچہ بہت کم ایسے ہیں جنھوں نے اپنی خودی کی دشوار گذار اور پُر پیچ سفر کو طے کیا ہو، یہ سفر کولمبس اور گگارین کے سفر سے بھی مشقت اور خطرے کا حامل ہے، چنانچہ کولمبس نے امریکہ کا سفر جغرافیائی نقشوں کے ذریعہ کیا تھا جس میں کچھ نشانات اور حدود بھی تھے، موجیں مارتا ہوا سمندر بھی تھا، زمین تھی، بادل تھا، گگارین کا سفر ہزاروں آلات و مشینوں اور لاسلکی ذرائع پر مشتمل تھا لیکن خودی کی گہرائیوں میں جانا اس کی تحقیق کرنا ایسا سفر ہے جس میں نہ کوئی چھت ہے جہاں نہ کوئی میدان، کوئی نقشہ نہ کوئی نشان، اور حقیقت یہ ہے کہ خودی کی تحقیق محنت و مشقت سے دوچار ہوئے بغیر نہیں ہو سکتی جو صرف جذبات اور عقلی تکلفات ہی تک محدود نہ ہوں بلکہ اعتدال و میانہ روی وسعی پیہم ہو۔ جس کے لئے حقیقت و سنجیدگی ہمت و جوانمردی مشقت و جانبازی، خوب و ناخوب میں تفریق کی صلاحیت مصیبتوں کو برداشت کرنے کی ضرورت ہے۔ تاریخ و حوادث انسانی طبیعت و معاشرت سے واقفیت کی ضرورت ہے۔ کیونکہ ہم تاریخ و معاشرہ کے جزو ہیں، امتوں اور قوموں کے عروج و زوال کا نتیجہ ہیں، فضا میں موہوم حلقے نہیں بلکہ بشر ہیں اس کی نسل و خاندان کی طرف منسوب ہوتے ہیں ایسے معاشرہ سے تعلق رکھتے ہیں جس کی الگ تاریخ ہے۔

تعلیم و مہارت، احساس ذمہ داری، تجربہ و جرأت مندی، ہمت و بلند حوصلگی یہ سب اس سفر کے وہ ضروری آلات ہیں جس کے ذریعہ خودی تک پہنچا جا سکتا ہے جس کی معرفت کے لئے سخت مرحلوں سے گذرنا پڑیگا امید و بیم غربت و تنہائی سے دوچار ہونا پڑے گا، جو خودی تک پہنچنے اور خیر و شر کی تمیز کا بہترین ذریعہ ہے۔

کسی حقیقت کی تلاش و جستجو ایسا آئینہ ہے جس میں خودی کے آثار دیکھے جا سکتے ہیں اور شخصیت کو پہچانا جا سکتا ہے اور اعتماد و توکل وہ ذریعہ ہے جس کے ذریعہ اس منزل کو طے کیا جا سکتا ہے، خدا نے تمہیں اہم کام کے لئے بھیجا ہے اور ایسا جوہر عطا کیا ہے جس سے تم لاکھوں انسانوں سے ممتاز ہو سکتے ہو جس کی تلاش و جستجو کر و منزل مقصود کو پہنچوگے۔

ندوۃ العلماء ـــ منزل بہ منزل

پندرہ روزہ "تعمیر حیات" اس شمارہ سے ایک نیا سلسلۂ مضامین شروع کر رہا ہے۔ ندوۃ العلماء اصلاً ایک تحریک تھی۔ ۱۸۹۲ء میں اس کا آغاز ایک تحریک کی شکل میں ہوا، ہندوستان کے مختلف مقامات پر اس تحریک کے عظیم الشان اجلاس منعقد ہوتے تھے، یہ اجلاس ملک کے شستہ اور شائستہ ترین اجلاس ہوتے جنمیں ممتاز علماء، چیدہ و برگزیدہ جدید تعلیمیافتہ اور مشاہیر ملت جمع ہوتے، بلند پایہ اور معیاری تقریریں ہوتیں، جلسے کے انتظامات اور اجلاس کی کارروائی کے ہر جزو سے مذاق سلیم اور تہذیب و شائستگی کا اظہار ہوتا، کوئی مبتذل عامیانہ اور نزاعی بات ان جلسوں میں نہ ہوتی، یہ جلسے بہت دنوں تک کے لئے اپنی خوشگوار یادیں اور اپنے روشن نقوش چھوڑ جاتے اور ندوۃ العلماء کی تبلیغ و تشہیر کے ماسوا مسلمانوں کی دینی زندگی اور علمی ترقی میں وہ ایک حرکت پیدا کر دیتے۔

ان جلسوں کی رودادیں، آج بھی اپنے اندر بڑی تازگی اور معلومات رکھتی ہیں۔ ان رودادوں کی تلخیص کے سلسلے کی پہلی قسط نذر قارئین ہے، یہ تلخیص ندوۃ العلماء کے اجلاس اول کے روداد کی ہے۔

★

ندوۃ العلماء کا پہلا اجلاس ۱۵، ۱۶، ۱۷ر شوال ۱۳۱۱ھ مطابق ۲۲، ۲۳، ۲۴ر اپریل ۱۸۹۴ء میں مدرسۂ فیض عام کانپور میں ہوا۔ پہلے دن ۱۵ر شوال ۱۳۱۱ھ مطابق ۲۲ر اپریل ۱۸۹۴ء کی صبح مدرسہ فیض عام کے چودہ فارغ التحصیل طالبعلموں کی دستاربندی کا جلسہ، حضرت مولانا لطف اللہ صاحبؒ علی گڑھی کی صدارت میں ہوا، صدارت کی تحریک مولانا عبد اللہ صاحب ناظم دینیات ایم۔ اے۔ او کالج علی گڑھ (داماد حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی بانی دار العلوم دیوبند) نے پیش کی اور تائید مولانا شاہ محمد حسین الٰہ آبادیؒ نے فرمائی، مولوی بشیر الدین صاحب ایڈیٹر "نجم الاخبار" اٹاوہ نے مدرسہ فیض عام کی سالانہ کارروائی پڑھ کر سنائی، اس کے بعد مولانا شاہ سلیمان صاحب پھلواروی نے سورۂ جمعہ کا وعظ اس خوبی سے کہا کہ حاضرین پر وجد طاری تھا۔

ندوۃ العلماء: ندوۃ العلماء کا اجلاس اسی دن تین بجے سہ پہر سے شروع ہوا شمس العلماء مولانا شبلی نعمانیؒ نے مولانا لطف اللہ صاحبؒ کی صدارت کی تحریک کی اور مولانا شاہ محمد حسین صاحب الٰہ آبادیؒ نے تائید کی، اس اجلاس کی روح پرور کیفیت کا بیان نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمٰن خاں صاحب شروانی کی زبان سے سنئے:۔

"شوال ۱۳۱۱ھ میں ندوۃ العلماء کا پہلا اجلاس ہوا۔ یہ اجلاس اپنی شان اور اجتماع میں خود اپنی نظیر تھا، ایک شان یہ تھی کہ ہر فرقہ کے سربرآوردہ علماء شریک جلسہ تھے، علمائے حنفی کے علاوہ اہل حدیث میں سے مولانا ابراہیم آروی، مولانا محمد حسین بٹالوی، شیعہ مجتہدین میں مولوی غلام الحسنین کنتوری شریک جلسہ تھے، یہ مشاہدہ تھا کہ تمام علماء بلاتخصیص فرقہ صدر نشیں کی تعظیم و تکریم میں یکساں سرگرم تھے کرسی صدارت حضرت کے جمالی و کمالی دونوں پر نازاں تھی، اسی موقع پر جو رسالہ مولوی احمد رضا خانصاحب بریلوی نے پیش کیا تھا، اس میں مفتی عنایت احمد صاحب، مولانا لطف اللہ صاحب اور مولانا احمد حسین صاحب کی بڑے شاندار الفاظ میں مدح و ثنا کی تھی"۔

(استاذ العلماء صفحہ ۴۶-۴۳)

اس کے بعد مولانا شاہ محمد حسین صاحب الٰہ آبادیؒ نے ندوۃ العلماء کے اغراض اور عربی تعلیم کے موجودہ نقائص پر ایک بسیط اور مدلل تقریر فرمائی، بعد میں مولانا شبلی نعمانیؒ نے ندوۃ العلماء کا دستور پیش کیا، مولانا محمد حسین صاحب بٹالویؒ کی تحریک سے یہ دستور علماء کی ایک مجلس کے سپرد ہوا، عصر کے بعد مولانا شاہ سلیمان پھلواروی نے دینی و دنیوی ترقی اور مذہبی تعلیم پر وعظ فرمایا۔

دوسرے دن ۱۶ر شوال کی صبح کو مولانا شبلیؒ کی تحریک اور مولانا محمد حسین صاحب بٹالوی کی تائید سے مولانا سید محمد شاہ محدث رامپوری صدر جلسہ ہوئے سب سے پہلے مولانا عبد الحق صاحب حقانیؒ نے ندوۃ العلماء کے مقاصد پر ایک پُرزور تقریر کی، پھر مولانا ابراہیم آرویؒ نے دلپذیر وعظ فرمایا۔

۱۷ر شوال کی رات کو مغرب بعد چند علماء کی موجودگی دستور العمل منظور ہوا — تیسری نشست ۱۷ر شوال مطابق ۲۴ر اپریل کی صبح کو ہوئی، مولانا لطف اللہ صاحب صدارت کی کرسی پر تھے، اس جلسے میں چار تجویزیں پاس ہوئیں۔

تجویز نمبر ۱: موجودہ طریقۂ تعلیم قابل اصلاح ہے۔

تجویز نمبر ۲: مدارس اسلامیہ کے مہتمم ہر سال ندوۃ العلماء کے اجلاس میں شریک ہوا کریں۔

تجویز نمبر ۳: مدارس اسلامیہ جو کثرت سے جابجا قائم ہیں ان کا وفاق بنایا جائے، ہندوستان کے دو تین بڑے مدارس کو مراکز بنا کر چھوٹے مدرسوں کو ان کی شاخیں قرار دیا جائے۔

تجویز نمبر ۴: مدرسۂ فیض عام کی ترقی اور مالی تعاون کے متعلق تھی، یہ وہ تجویزیں ہیں جو عربی تعلیم کی اصلاح اور دینی مدارس کی تنظیم کے لئے آج سے ۹۰ سال قبل پیش کی گئی تھی اگر ہندوستان میں عمومی طور پر ان تجویزوں پر غور و عمل ہوتا تو صورت حال بالکل مختلف ہوتی۔ طریقۂ تعلیم کے اصلاح کے سلسلے میں پہلی تجویز مولانا شاہ محمد حسین صاحب الٰہ آبادی نے پیش کی تھی اور موصوف نے اصلاح نصاب کے مسئلہ کو بڑی جامعیت سے بیان فرمایا۔ مولانا شبلیؒ نے اس تجویز کی تائید میں ایک عالمانہ تقریر فرمائی اور بتلایا کہ "اسلام میں آغاز تعلیم سے طریقۂ تعلیم کیا رہا؟ نصاب کیونکر بدلتا رہا؟ علوم معقولات کا رواج کیسے ہوا؟ درس نظامیہ کی بنیاد کیونکر پڑی؟ اور موجودہ نصاب میں کیا کیا نقائص ہیں؟ مثلاً معقولات کی کتابیں ضرورت سے زیادہ ہیں، منطق کی کتابوں میں متاخرین نے الٰہیات کے مسئلے مخلوط کر دئے ہیں، کتابوں کے الفاظ و عبارت کے ساتھ فن کی بھی تعلیم ہونی چاہئے، ادب کی کتابیں پڑھائی جائیں قرآن پاک اور علوم قرآن کی کتابیں داخل نصاب کی جائیں اور طریقۂ تعلیم میں اصلاح کی جائے۔

یہ حیرت انگیز بات ہے کہ باوجود مختلف ضرورتوں کے لحاظ سے، یعقوب کندی، حکیم فارابی، ابن سینا، قطب الدین رازی کی تصنیفات بدلتے رہتے تو سلسلۂ نظامیہ کا آج تک بغیر تغیر بحال رہنا کس لحاظ سے ہے، خدا کا شکر ہے کہ ہمارے علماء نے "اس اہم مسئلے کی طرف توجہ کی اور آج یہ مسئلہ ایسی پُر وقعت مجلس میں پیش ہے جسمیں چاردانگ ہند کے علماء تشریف فرما ہیں"۔

اس تجویز کی تائید میں مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانیؒ نے اپنا مضمون پڑھکر سنایا جو متانت، زور انشاء، جدید و قدیم معلومات کا بہترین نمونہ تھا اصلاح نصاب کی ضرورت کے موضوع پر مولانا حالی نے اس جلسے میں اپنی تقریر لکھ کر بھیجی تھی وہ کسی وجہ سے جلسے میں شریک نہ ہو سکے، ان کی تقریر اجلاس میں پڑھکر سنائی گئی، اس میں انہوں نے تاریخ و جغرافیہ اور نصاب تعلیم کی تبدیلی کی اہمیت و ضرورت کے ساتھ عربی زبان و ادب کی تعلیم کی طرف خصوصی توجہ دلائی تھی، اس جلسے میں مولانا احمد رضا خانصاحب بریلوی کا مقالہ بھی تھا، انکے علاوہ نصاب تعلیم کی تائید میں مولانا محمد عبد الغنی صاحب مورشید آبادیؒ، مولانا محمد یونس خانصاحب رئیس دنادلی، مولوی حافظ نیاز احمد صاحب ہیڈ ماسٹر اسکول فتح پور، مولانا مفتی محمد عبد اللہ صاحب ٹونکی پروفیسر عربی اورینٹل کالج لاہور، مولانا محمد عبد العلی آسی مدراسی اور مولانا حکیم محمد عبد الباری عظیم آبادی نے پُرمغز اور مدلل تقریریں کیں، اور اپنے مقالات پیش کئے، اجلاس کی روداد میں یہ تمام تقریریں اور مقالے ہیں اور پڑھنے سے تعلق رکھتی ہیں:۔

اصلاح نصاب کی یہ تجویز کثرت رائے سے منظور ہوئی اور اس کے مطابق ۱۳ علماء کی ایک مجلس موجودہ نصاب اور طریقۂ تعلیم پر غور کرکے اپنی سفارشات پیش کرنے کی غرض سے مقرر کی گئی انکے ارکان میں استاذ العلماء مولانا لطف اللہ صاحبؒ، مولانا عبد الحق صاحب حقانیؒ، مولانا احمد رضا خانصاحب بریلوی، مولانا سید ظہور الاسلام صاحبؒ، مولانا ابراہیم آرویؒ، مولانا شاہ محمد حسین الٰہ آبادی، مولانا شاہ محمد سلیمان پھلواروی، مولانا شبلی نعمانیؒ اور مولانا محمد علی مونگیریؒ، ناظم ندوۃ العلماء، مولانا عبد الغنی صاحب، مولانا محمد حسین بٹالوی، مولانا عبد اللہ انصاری یہ حضرات تھے۔ اس کے بعد بقیہ تجاویز کثرت آراء سے منظور ہوئیں اور تیسری تجویز منظور ہونے کے بعد دستور العمل کی دفعہ ۱۱ کے مطابق مجلس منتظمہ کے سولہ ارکان انتخاب عمل میں آیا اور چار علماء۔ مولانا لطف اللہ صاحب علی گڑھی، مولانا محمد شاہ محدثؒ، مولانا محمد عادل اور مولانا عبد الوہاب ... اعزازی ارکان قرار دئے گئے۔ اسطرح ندوۃ العلماء کا ایک

مطالعہ کی میز پر

(تبصرہ کے لئے ہر کتاب کے دو نسخے آنا ضروری ہیں)

حبیب اللہ ندوی

"الاسلام" مصنف وحید الدین خاں، تقطیع ۲۲×۱۸، صفحات: ۲۴۰
کتابت طباعت اوسط، قیمت: تیرہ روپے -/13
ناشر: الدار العلمیہ، جمعیۃ بلڈنگ، گلی قاسم جان۔ دہلی

وحید الدین خاں صاحب اردو کے معروف مصنفین میں سے ہیں۔ ابھی چند سال پہلے "علم جدید کا چیلنج"، لکھ کر اپنے قلم کا لوہا منوا چکے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ قدرت نے انہیں تحریر کا سلیقہ دیا ہے۔ لکھتے ہیں انتہائی تحقیق و اعتماد کے ساتھ اور موضوع میں ڈوب کر۔ تجزیاتی اسلوب میں لکھتے ہیں جس پر متانت و وقار کی چھاپ ہوتی ہے۔ اپنے دعوی کو تاریخی، مشاہداتی اور تجرباتی نقطۂ نظر سے ثابت کرتے ہیں۔

زیر نظر کتاب "الاسلام" ان کی تازہ ترین تصنیف ہے۔ کتاب کا موضوع یہ ہے کہ اسلام کی دعوت کو ہم نئے دور کے مزاج و فکر کے مطابق کس طرح پیش کریں کہ اسلام ایک فرسودہ اور از کار رفتہ نظام نہ سمجھا جائے۔ بلکہ نئے دور کی رہنمائی کر سکے۔

"تعارف مسئلہ" میں جو کتاب کا مقدمہ ہے، لکھتے ہیں کہ حالات حاضرہ کے مطابق اور سائنسی دور کے افکار و عوامل کے رو سے ہمارے سامنے دو قسم کے مسائل ہیں۔ ایک فطری یعنی عقائد و احکام اسلام کو جدید استدلالی انداز میں مرتب کرنا کہ وہ "آج کی چیز" بن جائیں اور دوسرے عملی یعنی پیش آمدہ قضایا کی صحیح تنقیح اور ان کو مروجہ نظام کے موافق کرنا یا مروجہ نظام کو ان کے موافق کرنا صفحہ ۱۳

مصنف نے کتاب میں صرف نظری مسائل سے بحث کی ہے۔ اور عملی مسائل کو دوسروں پر چھوڑ دیا ہے۔ بقول خود "انہوں نے نظریاتی چٹانوں کو تراش کر راستہ بنا دیا ہے تاکہ بعد میں آنے والوں (عملی مسائل حل کرنے والوں) کو پچھلی سیڑھیاں نہ بنانی پڑیں۔ صفحہ ۲۳۹

کتاب ان عناوین پر مشتمل ہے۔ حقیقت دین، ارکان اربعہ، صراط مستقیم، اسوۂ نبوت، اسلامی تحریکیں، ملت کی تعمیر، دعوت الی اللہ، جدید امکانات، جن میں عبادت کی حقیقت، عبادت کے تقاضے پھر ارکان اربعہ کے اسرار و رموز اور مقصد پر بحث کرتے ہوئے بتایا کہ "دعوت کی کامیابی کے لئے اسوۂ نبوت ضروری ہے اور وہ یہ ہیں: (۱) اندرونی طاقت (اپنی اصلاح اور نفس کی تیاری) (۲) خارجی نشانہ (دعوت اور طریقہ دعوت) (۳) اس راہ میں صبر و ثبات ص۵۹ پھر تفصیلی بیان کیا ہے کہ کس طرح حضور نے وقت اور زمانہ کا لحاظ کرتے ہوئے اور مصالح کا خیال کرتے ہوئے قدم اٹھایا اور انتہائی حکمت عملی اور صبر و ثبات سے کام لے کر وقت کے "شاکلہ" (فکری سانچہ) کو ہی بدل دیا۔ اور زمانہ کا رخ پھیر دیا۔ مقابلۃً ماضی قریب اور دور حاضر کی تمام اسلامی تحریکوں اور اصحاب دعوت افراد کے کاموں کا اجمالی جائزہ پیش کیا ہے۔ کہ یہ اسلامی تحریکیں باوجود کثرت تعداد کے صرف اس لئے ناکام رہیں کہ انہوں نے وقت کے "شاکلہ" کو نہیں سمجھا اور مثبت فکر سے کام کرنے کے منفی رخ کو اختیار کیا اور ٹھوکریں کھائیں۔

آگے مصنف نے ملت کی تعمیر کے لئے تین چیزوں کو ضروری قرار دیا ہے۔ (۱) "قیام کا حصول" (اقتصادی استحکام) (۲) "اتحاد" (۳) "قوت مرہبہ" (حریف کو مرعوب اور زیر کرنے کی صلاحیت) ان اصولوں کی پابندی کے ساتھ دعوت کے لئے صحیح طریقہ کار اور مضبوط مرکز پر زور ڈالا ہے۔

آخر میں علمی حقائق، سائنسی کلیات، نئی تحقیقات اور بدلتے ہوئے افکار و نظریات کی روشنی میں ثابت کیا ہے کہ دور جدید میں اس بات کے امکان زیادہ روشن ہو گئے ہیں کہ دنیا اسلام کو ہاتھوں ہاتھ لے۔ کیونکہ اس پیاسی دنیا کے لئے اگر کوئی رہنما ہے تو صرف اسلام ہے۔ بشرطیکہ اسے "آج کی چیز" بنا کر پیش کیا جائے۔

کتاب اپنے موضوع، اور انداز بیان میں منفرد ہے۔ اسلوب تجزیاتی اور دلپذیر ہے۔ انداز متکلمانہ، زبان و بیان میں سلاست ہے۔ امراض و نقائص پر کسی حد تک اچھی نباضی ہے علاج کے لئے تشخیص بھی ہے۔ دین و دعوت کی ایسی تشریح جو دل و دماغ کو اپیل کرتی ہے۔ غرض مصنف نے ہر طرح سے اسلام کو "آج کی چیز" ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔

دوسرا رخ

افراد و تحریکات کی تنقید میں مصنف حد اعتدال سے بہت آگے نکل گئے ہیں قاری یہ محسوس کئے بغیر نہیں رہتا کہ یہ تنقید برائے تنقید ہے جسے محض قلم کے زور سے واقعیت کا روپ دیا گیا ہے۔ چند نمونے ملاحظہ ہوں۔

"مجدد الف ثانی کی بڑی غلطی یہ ہے کہ انہوں نے ان پرتگالیوں کو نہیں سمجھا۔ اور ان کے خطرات سے مسلمانوں کو آگاہ نہیں کیا جو ہندوستان کے سواحل میں نمودار ہو رہے تھے۔ جو آگے چل کر ہندوستان پر قابض ہو گئے۔ اور یہاں کی تاریخ و تمدن بدل دی۔ مزید لکھتے ہیں کہ "وہ عالم بالا کی پرواز میں وحدت الوجود کے مسئلہ کو حل کرتے ہیں مگر یہ مسئلہ ان کو نظر نہیں آتا۔ اکبری فتنہ کا ڈٹ کر مقابلہ کرتے ہیں مگر یہ پرتگالی فتنے انہیں نظر نہیں آتے۔"

شاہ ولی اللہ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ جب وہ پیدا ہوئے تو مغربی مفکر "نیوٹن" زندہ تھا اور "روسو" تو بالکل ان کا ہم عمر ہے مگر وہ اور ان کے صاحبزادہ شاہ عبدالحق روایتی ڈھانچہ سے باہر آکر مسئلہ کو سمجھنے پر کامیاب نہ ہو سکے اور یہ ممکن نہ ہو سکا کہ مغرب سے آنے والے ان فکری خطرات کے مقابلہ کے لئے مسلمانوں کو روشنی دیں۔

دور جدید کے مصلحین، جمال الدین افغانی، مفتی محمد عبدہ، رشید رضا مصری، سید قطب شہید، عبدالقہار مذکر اور مولانا مودودی کی اصلاحی، علمی فکری اور لٹریری خدمات میں مصنف کو صرف یہ نظر آتا ہے کہ یہ لوگ ارباب اقتدار سے ٹکرا گئے، جس کے نتیجہ میں ناکامی ہوئی۔ اور بقول مصنف "شہادت و قربانی کی ٹائیٹل لے کر شاندار قبروں میں جا لیٹے، حالانکہ ان حضرات نے دور حاضر کے فکری ڈھانچہ ہی کو بدل دینے کی کوشش میں اپنی زندگیاں صرف کر دیں۔ اور جو کچھ کیا عملی اقدام کیا، ایسا نہیں ہوا کہ نظریات کی تشکیل اور پروگرام کی تخطیط میں وقت گذار دیا ہو اور عمل کے میدان کو یہ کہتے ہوئے دوسروں کے لئے چھوڑ دیا ہو کہ "میں نے نظریاتی چٹان کاٹ دی ہیں تاکہ عملی چٹان سر کرنے والوں کے لئے راہ کھلے۔

خانصاحب نے اپنی اس کتاب میں مجدد الف ثانی، شاہ ولی اللہ، سید احمد شہید، شیخ الہند، جماعت اسلامی، تبلیغی جماعت، اخوان المسلمین، جمال الدین افغانی، سید قطب اور عربی مدارس وغیرہ وغیرہ سب کو اپنی جرح و تنقید اور اپنے تجزیہ کا موضوع بنایا ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ یہ افراد یا افراد کا مجموعہ معصوم نہیں ان سے خطا کا امکان ہو سکتا ہے۔ اس لئے ہر وہ شخص جو منھ میں زبان اور ہاتھ میں قلم رکھتا ہے ان پر تنقید کر سکتا ہے، اس لئے وحید الدین خانصاحب کو بھی کون اس سے محروم کر سکتا ہے مگر سوال یہ ہے کہ خود خانصاحب اپنے کو کس صف میں شمار کر سکتے ہیں معصومین میں یا غیر معصومین میں۔ کیا انہوں نے ازراہ حقیقت پسندی کبھی اس کی تکلیف کی کہ جس طرح بڑی بڑی شخصیتوں کو جرح و تنقید کی کسوٹی پر پرکھتے ہیں، کبھی اپنی ذات کو بھی پرکھا ہے اور کبھی انہوں نے یہ بتایا کہ ان کے فکر نے جو کم و بیش نصف درجن کروٹیں بدلیں ان میں کونسی کروٹ صحیح تھی اور کون سی غلط،

کبھی آپ کی فکر مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی اور ان کی جماعت سے ہم آہنگ ہوتی ہے، اور کبھی قبلۂ مقصود تبلیغی جماعت بن جاتی ہے۔ کبھی تبلیغی جماعت کی طرف پشت کر کے وہ مولانا اسعد مدنی کی جمعیۃ علماء ہند کی طرف جاتے نظر آتے ہیں۔ اور کبھی ان سب جماعتوں کو چھوڑ کر اپنا ذاتی ادارہ قائم کرتے ہیں۔ پھر لطف کی بات یہ کہ ہر فکر کو ملت کی نجات کا واحد نسخہ بتاتے ہیں گویا اس کو چھوڑنا اور اس سے اعراض سراسر ہلاکت اور دین و شریعت سے انحراف ہے اور جونہی خانصاحب نے اس طریقۂ فکر و عمل سے منھ موڑا فوراً دین و شریعت کا مبارک سایہ بھی اس سے ہٹ جاتا ہے۔

افراد و جماعات پر جرح و تنقید کرتے ہوئے خانصاحب کی فکر ان کے ماضی ہی کی طرح نظر آتی ہے۔ جس کو کسی صورت قرار نہیں۔ آپ پاکستان یا دوسرے مسلم ممالک میں احیاء اسلامی کی کوشش کرنیوالی جماعتوں اور تحریکوں پر چوٹ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ حضور کو جب انقلاب لانا ہوا اور خدائی دین کو غالب اور شرعی قانون کو نافذ کرنا ہوا تو یہ نہیں کہا کہ "دارالندوہ" میں مجھے ممبری دے دو۔ لیکن جب مصر اور انڈونیشیا کا ذکر کرتے ہیں اور وہاں کے افراد اور اصحاب دعوت پر جرح فرماتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ارباب اقتدار اور حکومت وقت کی وزارت میں شامل ہو کر انہوں نے کام نہیں کیا اس لئے ناکام رہے۔

ہم پوری صفائی کے ساتھ خانصاحب سے یہ عرض کریں گے کہ یہ زمانہ علم سائنس کا ہے جس کا انہیں خود احساس ہے۔ اس زمانہ میں چند کتابیں لکھ لینے یا رسالہ نکال لینے اور امت کے افراد پر تنقید کر لینے سے امت کی نجات اور کامیابی نہیں ہو سکتی اگر ان میں کچھ جرأت و سرفروشی ہے تو قوم کو مثبت پروگرام دیں اور اگر حوصلہ یا درد نہیں ہے تو پھر اسلاف کی قربانیوں پر پانی نہ پھیریں جنہوں نے وقت زمانہ اور ملکی حالات کے اعتبار سے تجدید دین اور دعوت کا بیڑا اٹھایا

حضرتِ اقبال سے!

از: علامہ محوی صدیقی لکھنوی

مرحبا اقبال! اے ملکِ سخن کے تاجدار
گیسوئے اردو ہے تیرے ذوق کی منت گذار
مرحبا! تیری زباں، تیرا بیاں، تیرا پیام
مرحبا! تیری نگاہِ نکتہ رس، فکرِ لطیف
مرحبا! وہ زندگی، جس زندگی میں کر دئے
آفریں! اقبال تیری زندگی پر آفریں!
زندۂ جاوید ہے تو، اور مر سکتا نہیں
دامنِ اردو تھا خالی حکمت و اسرار سے
زندگی بخشے جو مردوں کو نہ تھا ایسا کلام
اک تنِ بے روح تھی اردو زباں کی شاعری
سوگواری قوم کی ہوتی رہی برسوں مگر
جانِ بلبِ بیمارِ ملت نے مگر کروٹ نہ لی
تو نے وہ پیدا کیا بزمِ سخن میں انقلاب
اینڈتے تھے بستروں پر نونہالانِ وطن
جاگ اٹھے تلملا کر نازنینانِ چمن
چٹکیاں لیں اس محبت سے کہ غافل چیخ اٹھے
خفتگانِ بے خبر میں وہ تڑپ پیدا ہوئی
تو نے اک نعرہ خودی کا یوں کیا آخر بلند
بیخودی کو کر دیا رازِ خودی سے آشنا
چھٹ گئے بادل جمود و بے کسی کے اس طرح
تیرا ہر نغمہ بھی گویا صور اسرافیل تھا
تیرے نالوں میں دلوں میں ایسی ہلچل ڈال دی
ولولے عزم و عمل کے تو نے یوں پیدا کئے
بھر دیا ذوقِ یقیں سے ہر دلِ دیندار کو
ضربِ کاری ہے مسلماں کے لئے ضربِ کلیم
تیرا نغمہ بے اثر ہوتا یہ ممکن ہی نہ تھا
اللہ اللہ وہ ترا شکوہ، وہ شکوے کا جواب
جانِ حکمت، درسِ دانش ہے تری ہر اک کتاب
تو نے پھر عشق و خرد کا فلسفہ سمجھا دیا
یہ بتایا تو نے ہے انسانیت کس شے کا نام
تو نہیں تو کیا ہوا زندہ تو ہے تیرا کلام
تیرا نعرہ کفر کی سطوت کو پیغامِ رحیل
تیری ہر اک بیت انساں کے لئے درسِ حیات
تیرا اندازِ بیاں، جادو اثر، ہوش آفریں
مرحبا! تو نے عجب ذوقِ سخن پیدا کیا
وہ تخیل عرش پیما، وہ تری فکر بلند
آج دنیائے ادب میں کون ہے تیرا نظیر
حق تو یہ ہے تو نے اردو کی بڑھا دیں عظمتیں
سچ تو یہ ہے تو وہ ہے پیغمبرِ شعر و ادب
قوم ہو بیدار، تجھ کو اس لئے پیدا کیا
تو نے پستی سے بلندی پر پہونچا دیا

زیب دیتی ہے ترے سر پر کلاہِ افتخار
تیری نوکِ کلک نے اس کو کیا ہے تابدار
کر نہیں سکتی ہے پیدا گردشِ لیل و نہار
ڈھونڈتی ہے آجتک جس کو نگاہِ روزگار
تو نے ہم پر زندگی کے راز اکثر آشکار
اس کو کہتے ہیں حیاتِ کامیاب و کامگار
گو بظاہر لے کے آیا تھا حیاتِ مستعار
تو نے اپنی فکرِ عالی سے کیا سرمایہ دار
مرثیے، غزلیں، قصیدے تھے اگرچہ بے شمار
تو نے بخشی زندگی، تو نے دیا عز و وقار
اپنی کوشش میں رہے ناکام سارے سوگوار
تھا تری بانگِ درا کا شاید انکو انتظار
آ گئی اس پر جوانی، چھا گئی اس پر بہار
دور تیرے زمزموں نے کر دیا ان کا خمار
گدگدایا تو نے بن بن کر نسیمِ خوشگوار
مرحبا ایسے بھی ہوتے ہیں جہاں میں غمگسار
شعلۂ بے تاب تھا ہر خاکِ آسودہ شرار
اٹھ گیا گھبرا کے ہر اک بندۂ غفلت شعار
خوابِ شیریں سے ہوئے بیدار تو تھے شرمسار
جیسے اڑ جائیں ہوائے تند میں گرد و غبار
جاگ اٹھے قرنوں کے مردے ہو کے خود ہی بیقرار
ہو گیا ہشیار ہر مزدور، ہر سرمایہ دار
تیرے لب پر زمزمہ تھا اور آنکھیں اشکبار
کر دیا رشتہ محبت کا دلوں میں استوار
موت ہے اس کے لئے اب بھی نہ ہو گر ہوشیار
کیونکہ تیری ہر نوا دراصل تھی دل کی پکار
دے تجھے آغوشِ رحمت میں جگہ پروردگار
دیدہ و دل جس کے ہر ہر لفظ و معنی پر نثار
اور اپنی دامِ حکمت کا کیا سب کو شکار
تو نے سلجھائی وہ گتھی تھی جو بے حد پیچدار
ہے زیارت گاہِ اربابِ ادب تیرا مزار
تیرا نغمہ عظمتِ اسلام کا آئینہ دار
تیرا ہر اک مصرعِ تر شاعری کا شاہکار
تیری ہر اک نظم معنی خیز، درِّ شاہوار
تیرے ہر اک شعر سے ہے سحر و حکمت آشکار
طائرِ سدرہ بھی جس کی دامِ رفعت میں شکار
کس نے پایا یہ سلیقہ، یہ بلندی یہ وقار
ورنہ دنیائے ادب میں تھا کہاں اسکا شمار
شاعرانِ عصر کو جس نے جھنجھوڑا بار بار
ورنہ شاعر تو ہمارے دیس میں تھے بیشمار
اپنی منزل سے کیا ملت کو آخر ہم کنار

کوندتی ہیں بجلیاں گویا ترے افکار میں
ترے سوزِ دل کی ہر اک نظم ہے آئینہ دار
کون تیرے ذہن کو تیری نظر کو پا سکے
تجھ کو فطرت نے بنایا شاعرِ حکمت نگار
تو نے خود تجویز کی اپنے لئے جو شاہراہ
دو قدم اس پر چلے، ہے کون ایسا شہسوار
تیری گردِ راہ تک بھی تو پہنچنا ہے کٹھن
ہر قدم پر دل دھڑکتے، پاؤں ہوتے ہیں فگار
کاش تجھ کو زندگی، کچھ اور ملتی دہر میں
ڈھونڈتی ہے آج بھی تجھ کو نگاہِ اعتبار
تو ہے اپنے رنگ، اپنی طرز میں یکتا ہنوز
مدعی ہیں یوں تو اپنی خوش مقالی کے ہزار
وہ شناور تو ہے، جس پر تنگ اسکی وسعتیں
ورنہ دریائے سخن ہے اب بھی ناپیدا کنار
سحر افرنگی کا بھی پردہ کیا یوں چاک چاک
جھک گیا تسلیم کو سر، معترف ہے روزگار
وہ طلسمِ دلفریب و دلنشیں و دل کشا
تو نے توڑا، جس کے آہنگ میں ہزاروں جاں نثار
آج تک کر ڈھتے ہیں جس پر خرد نا آشنا
آجتک الجھا ہے جس میں نوجوان خامکار
دین و قرآں سے کیا ہر نوجواں کو روشناس
ان کے نکتے اور ان کی حکمتیں کیں آشکار
الغرض حق اور باطل کو کیا یوں بے نقاب
ہو گئے پردے غرور و جہل کے سب تار تار
بھر دئے اکثر دلوں میں زندگی کے حوصلے
کر دیا عزم و عمل، ذوقِ یقیں کو پائدار
تو نے مسلم کو سکھائے دلنشیں آدابِ عشق
تو نے دنیا کو بتایا، بے خرد بھی ہرزہ کار
ذہن ندرت آفریں، طبعِ رسا جدت طراز
فکر ہمدوشِ ثریا، کلک ہم رنگِ بہار
دیکھ کر تیرے تخیل ہی کی پروازِ بلند
سر جھکائے ہیں بصد حسنِ ادب سرو و چنار
زمزمے تیرے جو پہنچے گلستاں سے دشت میں
بھول بیٹھے اپنے نغمے جوئبار و آبشار
تیرا نغمہ سن کے حیراں بلبلیں گلزار میں
قمریاں صلِّ علیٰ پڑھنے لگیں بے اختیار
ہوش میں آنے لگے ہیں بادہ خوارانِ الست
روح تیری شاد ہو اے شاعرِ جادو نگار

تاکجا توصیف ہو تیرے کمالِ شعر کی
فکر تیری عرش پیما، فکرِ محوی خاکسار

سرودِ رضواں

جنت میں اقبال کا استقبال

(ابوالاسرار رمزی۔ اٹاوی جودھپور)

وہ دردمندِ رسولِ حجاز آتا ہے
فنا کی راہ سے مستِ نیاز آتا ہے
حبابِ جوئے رواں کو ہسارِ ہستی سے
عبور کر کے نشیب و فراز آتا ہے
دماغ جس کا ہے معمورِ حکمتِ قرآں
وہ صاحبِ نظرِ امتیاز آتا ہے
نفس نفس میں حرارت نظر نظر میں شرار
امینِ ولولۂ سوز و ساز آتا ہے
جبیں ہے اس کی درخشاں نقوشِ سجدہ سے
جہاں سے کا سرود سرفراز آتا ہے
خدا سے حوصلہ جس نے کیا تھا شکوہ کا
وہ آج خلد میں شکوہ طراز آتا ہے
فرشتے جس کو محبت سے یاد کرتے تھے
ریاضِ خلد میں وہ پاکباز آتا ہے
ربابِ اپنے سنبھالو صراحیاں لاؤ
کہ آج شاعرِ نغمہ نواز آتا ہے
کتابِ فہمی کا جس نے شعور پھیلایا
وہی مجدد و دانائے راز آتا ہے

جو اس کتاب کو سیکھے گا اور سکھلائے گا
وہ اس جہاں میں اونچا مقام پائے گا

؎ وگلہ قرآن مجید